اللہ اعلیٰ و اجل

R.N-8319/64

REGD. NO H-493

ضلع کرنول سے شائع ہونے والا اردو کا واحد مذہبی اخبار

پندرہ روزہ

# عزیز کرنول

ماہانہ ایڈیشن

ایڈیٹر: عبد العزیز رحمانی

قیمت سالانہ
معاونین سے: دس روپے
عام خریداروں سے: پانچ روپے

جلد (۴) | یکم مارچ سنہ ۱۹۶۸ء مطابق یکم ذالحجہ سنہ ۱۳۸۷ھ روز جمعہ | شمارہ (۵، ۶)


# حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی قربانی


از:- امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد


سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت اسلام، یعنی حقیقت اسلام ہی ان کا وجود بس طرح نمایاں ہو گیا تھا کہ خود ان کی کوئی ہستی باقی نہیں رہ گئی۔ جبکہ ستاروں کی عجیب و فریب روشنی ان کے سامنے آئی چاند کی [illegible] ان کو آزمایا گیا اور سورج اپنی [illegible] پر چمکا کہ ان کی فطرت کو مرعوب کر سکے تو اسلام ہی تھا جس نے اندر سے صدا دی کہ:

اِنِّیْ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

میں ہر طرف سے کٹ کر صرف اسی ایک ہی ذات کا ہو گیا جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور الحمد للہ کہ میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کے مناظر دکھلائے تاکہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

انہوں نے جب آنکھ کھولی تو ان کے چاروں طرف بت پرستی کے مناظر تھے۔ انہوں نے اپنے گھر کے اندر بھی کسی کو دیکھا [illegible] تراشنے کے اوزار اور بتوں کے ڈھیر لگے تھے۔ وہ کالڈیہ کے [illegible] میں پھرے مگر جس طرف دیکھی بتوں کے آگے جھکے ہوئے سر دیکھے اور جس طرف کان لگایا [illegible] کی صدائیں آئیں [illegible] جس نے ان تمام [illegible] کو آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی جاتی تھیں ان کے

دل میں ان بے جان کے عشق کی لگن لگا دی اور ایک ان دیکھے نور کی تلاش میں ان کے سامنے کو مضطرب بنا دیا؟ ان کے سامنے مورتوں کی قطاریں کھڑی تھیں جن کو انہوں نے دیکھی تھیں۔ پھر وہ کون تھا جو ان کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور بس کو دیکھو رہا تھا اور اس فطرتی جوش و قوت کے ساتھ جو کسی بلندی سے گرنے والے آبشار یا کسی زمین سے اُبلتے ہوئے چشمے میں ہوتا ہے اور ان کی زبان سے فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی شہادت دے رہا تھا؟

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ

وہ جس نے مجھ کو پیدا کیا اور پھر ہدایت کی راہ بھی وہی دکھاتا ہے اور وہ کہ میں بھوکا ہوں تو وہ کھلاتا ہے۔ اور جب میں پیاسا ہوتا ہوں تو وہ پلاتا ہے اور وہ کہ جب اپنی [illegible] سے میں بیمار پڑتا ہوں تو اپنی رحمت سے وہ مجھے شفا دے دیتا ہے اور وہ موت دیتا ہے اور پھر موت کے بعد دوبارہ جلائے گا اور جس کی رحمت سے یہ امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں سے درگزر کرے گا۔

اور پھر یہ کیا تھا کہ جب ان کا سنگ تراش چچا پتھروں سے پرستش کے لئے مورتیں بناتا تھا تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلتا تھا کہ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ۔ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم جن بت پرستیوں میں مبتلا ہو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، البتہ مجھ کو اس ذات سے سروکار ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور یقین ہے کہ وہی مجھ پر اپنی راہ کھول دے گا۔ در اصل یہی حقیقت اسلامیہ تھی جس نے ان کے وجود کو آنے والی امتوں کے لئے "اسوۂ حسنہ" بنا دیا تھا اور جس کی وصیت انہوں نے اسحاق اور اسماعیل علیہما السلام کو کی اور پھر انہوں نے یعقوب نے اور اس کے بعد نسلاً بعد نسلٍ سلسلۂ ابراہیمی میں منتقل ہوتی رہی۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِیْمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اور یہی اسلام تھا جس کی وصیت ابراہیم اپنی اولاد کو کر گئے اور پھر یعقوب نے بھی کہ اے فرزندو! اللہ نے تم کو اسی دین کے لئے چن لیا ہے۔ پس تم زندگی بھر اسی کی تعلیم پر رہنا اور جب مرنا تو اسی طریقہ پر مرنا۔

اور یہی حقیقت وہ "روح اعظم" تھی جو آدم عم کے قالب میں پھونکی گئی تھی۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ اور خدا نے آدم میں اپنی روح پھونکی۔

اور یہی وہ روح الٰہی ہے جو بشریت ابراہیمی سے منسوب ہو کر سلسلہ ابراہیمی کی آخری امت میں بھی امت مرحومہ میں ظہور کرنے والی تھی جس کے ظہور کے یوم الطہور کی ایک

رات ایام اللہ کے لئے ہزاروں مہینوں پر افضلیت رکھتی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

یہ اسلام کو بصورت قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں پر افضلیت رکھتی ہے۔ اس رات ملائکہ اور "روح" نازل ہوتی ہیں جو اپنے پروردگار کے حکم سے (نظم روحانی کے) تمام امور کے لئے آتے ہیں۔ وہ رات امن و سلامتی کی رات ہے۔ طلوع صبح تک۔

اور یہی وہ حقیقت تھی جو ان تمام حقیقتوں سے جو بصورت یا بمعنیٰ تعبیر کی جا سکتی ہیں اعلیٰ و ارفع تھی کیونکہ وہ تمام شاخیں اسی حقیقت الحقائق کی جڑ سے نکلی تھیں، یہی "اصل" کی وجہ تھی یہی قربت ہے اور "کل" کے سامنے "جزو" ہے حقیقت ہے یہی سبب ہے کہ جب "اصل" "کل" کی تکمیل کا آخری روز ہو آ گیا:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ کہ ہدایت پاؤ گے۔ لیکن ان سے کہہ دو کہ نہیں بلکہ صرف ملت ابراہیمی ہی جو تمام راہوں کی حقیقت ہے اور وہ تمہاری طرح مشرک نہیں تھا۔

(باقی صفحہ ۲ پر)

# اللہ جل جلالہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔ کہو وہ کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہیں ہے اس کا کوئی بھی ہمسر (ذات پاک اور والا) اللہ ہمارا معبود ہے۔ ہم اسی کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔ بے شبہ اس کے سوا جو کچھ ہے سب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس لئے کوئی اس کے مانند نہیں۔ کوئی اس کا ہمسر اور حریف نہیں۔ وہ تمام کائنات کا خالق ہے۔ تمام کائنات کا خبر گیراں اور روزی رساں ہے۔ تمام کائنات کا علم رکھتا ہے۔ ہمارے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں۔ وہ ہر جگہ موجود اور ہر بات کا نگراں ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اسے مجبور کرنے والا، اس کے کاموں میں دخل دینے والا اور اس کے ارادہ کو بدلنے والا نہیں ہے۔ وہ جسم کی کثافتوں سے پاک ہے۔ وہ کسی جگہ میں محدود نہیں ہے۔ وہ رنگ و بو، شکل و صورت، ابتدا اور انتہا سے پاک ہے۔ اس کا کوئی شریک، مددگار نہیں ہے۔ ایک شہنشاہ سے بڑا بادشاہ، وحشی سے وحشی درندہ، بڑے سے بڑا ولی اس کا بندہ اور مخلوق ہے۔ خوفناک سمندر، سر بفلک پہاڑ، مہیب اژدہے اور شیر، آسمان و زمین، سورج، چاند، ستارے اور دوسری تمام مخلوقات اسی کی مطیع فرمان ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس کے حکم کا بدلنے والا یا ملتوی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس کی ذات و صفات اور خدائی میں کسی کی شرکت نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ وہ اچھے اور برے تمام اعمال کا بدلہ دیتا ہے۔ وہ عادل و منصف ہے۔ وہ رحیم و کریم ہے۔ انسانی عقل اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس کی ہستی وہم و قیاس اور فہم و خرد سے بالاتر ہے۔

جو لوگ صرف اس کے متعلق چون و چرا کرتے ہیں وہ گمراہی میں پڑ گئے۔ اس لئے کسی چون و چرا کے بغیر خدا کو ماننا چاہئے۔ اور سچے دل سے اس کی وحدانیت اور ربوبیت پر ایمان لانا چاہئے۔ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔

**توحید** اللہ پر ایمان لانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اسے ایک سمجھنا چاہئے۔ کسی کو اس کا شریک، ساتھی اور بیٹا قرار نہ دینا چاہئے۔ اور یقین رکھنا چاہئے کہ خدا کے سوا کائنات میں جو کچھ ہے اسی نے پیدا کیا ہے۔ پس خالق و مخلوق میں ہمسری نہیں ہو سکتی۔ اور خالق کے ساتھ کسی مخلوق کو ذات و صفات میں شریک ٹھہرانا انتہائی نادانی ہے۔ زبان اور دل دونوں کو متفق ہو کر کہنا چاہئے کہ اللہ ایک ہے۔

**اعتماد** جو شخص اللہ پر ایمان لایا ہے اس کو لازم ہے کہ اللہ پر پورا اعتماد رکھے۔ اس کے سوا کسی کو اپنا کارساز اور نیک و بد کا مختار نہ سمجھے۔ جب تم خوشحالی اور کامیابی کی زندگی بسر کرو تو یہ نہ سمجھو کہ تمہاری اور تمہارے اعزاء و احباب کی کوششوں سے یہ روز سعید نصیب ہوا ہے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم خیال کرو۔ اور ہر وقت قولاً و فعلاً اس کی شکر گزاری میں مصروف رہو۔ جب تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو صرف خدا کو پکارو۔ اسی سے مدد مانگو۔ اور یقین رکھو کہ اس کے سوا کسی میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ ایک ذرہ کو حرکت دے سکے۔ پس مصیبت میں تم شکستہ ہو کر دوسروں کے سامنے سر نہ جھکاؤ۔ اور نہ دوسروں سے امداد طلب کرو۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ تم خدا کے سوا کسی اور کو بھی برائی بھلائی کا مختار مطلق سمجھتے ہو۔ اور ایسا خیال کرنا شرک ہے۔ الغرض رنج و راحت دونوں حالتوں میں خدا پر نظر رکھو۔

اللہ کے دربار کو دنیائے فانی کے درباروں کی طرح نہ سمجھو جہاں غریبوں کی رسائی نہیں ہے۔ اللہ کے دربار میں ہر بندہ کی رسائی ممکن ہے۔ جب تم سچے دل سے اللہ کہتے ہو اللہ تم پر اپنی پوری مہربانیوں کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ تمہاری دعاؤں کو سنتا ہے اور اگر ان کو قبول فرمانا تمہارے حق میں مفید ہے تو قبول فرماتا ہے۔ اللہ کے حضور میں جس طرح ہفت اقلیم کے بادشاہ کی آواز پہنچتی ہے اسی طرح ایک پیر زال کی بھی جو فریاد کناں ہے جو نان شبینہ کی محتاج ہے۔ اللہ کے حضور میں جس طرح ایک عابد و زاہد کی آواز پہنچتی ہے اسی طرح اس کے حضور میں اس ایک گنہگار کی بھی شنوائی ہوتی ہے جس کی آنکھیں اور دامن ندامت کے آنسوؤں سے تر ہوں۔

**توکل** اللہ پر ایمان رکھنے کے بعد اسی پر پورا توکل رکھو۔ کوشش کرو لیکن کوشش کا نتیجہ خدا کے فضل و کرم پر منحصر سمجھو۔ اگر تم اپنے کاموں اور ارادوں کو مناسب طور پر بیان کرو۔ لیکن دل میں یقین رکھو کہ جب تک خدا کی مرضی نہ ہو کوئی شخص تمہارے کام نہیں بنا سکتا۔ اپنے ارادوں اور اپنے کاموں کو مشیت کے تابع سمجھو۔

**امید** اللہ کی طرف سے ہمیشہ پر امید رہو۔ کبھی ناکامی پر بھی دل شکستہ نہ ہو۔ ہر وقت اس کے فضل و کرم کی امید رکھو۔ تمام دینی و دنیوی امور میں اسی کی رحمت پر بھروسہ رکھو۔ وہ ایسا قادر و توانا ہے کہ مایوسی کے بعد رحمت کا مینہ برساتا ہے۔ اور سوکھی کھیتیوں کو سرسبز و شاداب فرماتا ہے۔ وہ ہر گناہ کو بخش دیتا ہے۔ اپنے بندوں سے درگزر کرتا ہے۔ بڑے سے بڑے سیاہ کار کے لئے اس کے ہاں توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔

**تعظیم** اللہ کے برابر عزت و تعظیم کا کوئی سزاوار نہیں ہے۔ انسان کی پیشانی اللہ کے سوا کسی کے سامنے جھکنے کے لئے نہیں بنائی گئی۔ اور انسان کے لئے اللہ کے سوا کسی کی پرستش جائز نہیں ہے یہ ایک ایسا اعتقاد ہے جو انسان کے اندر آزادی اور ثبات و استقامت کی روح پیدا کرتا ہے۔ اگر تم خدا پر سچائی و خلوص کے ساتھ بھروسہ رکھتے ہو تو وہ بڑے سے بڑے انسان جن کی ادنیٰ جنبش ابرو بے گناہ کو واجب القتل اور واجب القتل کو بے گناہ قرار دے سکتی ہے۔ تم اس کی برائی سے مطلق مرعوب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک سب سے بڑی ہستی تمہارے تصور میں موجود ہے۔ یہ زمین اتنی وسعت پر، آسمان اتنی بلندی اور یہ سورج اتنی روشنی کے باوجود تمہارے خیال میں کسی عظمت کا مالک نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک بالا و برتر وجود تمہارے ذہن میں موجود ہے۔ تم سمندر کو دیکھتے ہو کہ اس کی موجیں بلند ہو کر ساری دنیا کو غرق کر سکتی ہیں۔ تم پہاڑوں کی طرف نظر اٹھاؤ گے جن کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں لیکن تم ان کی شان و شوکت سے مطلق متاثر نہیں ہو گے۔ کیونکہ جو سطوت و جبروت اور عظمت و کبریائی خدا میں موجود ہے اس سے یہ چیزیں محروم ہیں۔ ایک سچا مسلمان کبھی اس کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا کہ جو تعظیم و عزت خدا کے لئے مخصوص ہے اس کا مستحق وہ کسی غیر خدا کو قرار دے۔ وہ بادشاہ کو، حاکم کو، دولتمندوں کو یا اور کسی ذات کو اس طرح کی عظمت کا مستحق نہیں سمجھ سکتا کہ خدا کو بھول جائے اور تعظیم کا وہ انتہائی درجہ جو اس خدائے واحد کی ذات اقدس کے لائق ہے وہ مخلوق کو پیش کرے۔ کیونکہ شرک و بت پرستی یہی نہیں ہے کہ پتھر کی تراشی ہوئی مورتوں کی پرستش کی جائے بلکہ انسانوں کی پرستش بھی شرک و بت پرستی ہے۔

**اطاعت** جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ کسی ایسی اطاعت کا جو خدا کے لئے مخصوص ہے کسی دوسرے کے لئے اس کا تصور بھی نہ کرے۔ ہم مخلوق کی خواہ وہ کوئی ہو ایسی اطاعت ہرگز گوارا نہیں کر سکتے جو خدا کی اطاعت کے ساتھ ٹکرا جائے۔ مثلاً خدا نے تم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کوئی شخص تمہیں نماز پڑھنے سے روکتا ہے تو ایک سچے خدا پرست کو اس کی رائے، مشورہ، میلان اور اگر وہ جبر بھی کرے تب بھی اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن اس امتحان میں پورا اترنے کے لئے دل و دماغ اور اعضاء کی متفقہ کوششیں درکار ہیں۔ اطاعت ہی ایک ایسی چیز ہے جو عبد و معبود کے درمیان سے زبردست رابطہ ہے۔ ادھر ایک حکم صادر ہوا اور ادھر تعمیل۔ حضرت سری سقطی عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ ایک بندہ مملوک ہے جس کے بس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ادھر امر ہے ادھر اس کی بجا آوری ہے۔ لیکن آج مسلمان کیا کر رہے ہیں۔ خدا کے احکامات سے کتنے بے پروا ہیں۔ اس سے محبت کرنے کے بجائے وہ اس سے کتنے دور ہیں۔ [illegible] اپنے نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ خدا کا حکم ہے کہ نماز کے لئے اٹھو۔ نفس کہتا ہے کہ نہیں، بستر پر آرام کرو۔ خدا کا حکم ہے کہ جھوٹ نہ بولو۔ لیکن نفس کہتا ہے کہ مصلحت اسی میں ہے۔ خدا کا حکم ہے کہ ناجائز مال کی طرف نظر نہ اٹھاؤ لیکن نفس کی ترغیبات یہ ہیں کہ جائز و ناجائز جس طرح ممکن ہو حصول زر میں دریغ نہ کرو۔

(باقی صفحہ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم


# پندرہ روزہ عزیز کرنول

یکم ذالحجہ ۱۳۸۶ھ روز جمعہ


# سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم

## غزوۂ احد

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جرار لشکر کے ساتھ کوہ احد کی گھاٹی میں نزول فرمایا اور ساتھیوں کو تاکید کر دی کہ کوئی جنگ و جدال میں ابتدا نہ کرے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کا انتظار کرے۔ کفار مکہ پہلے ہی سے احد کے میدان میں خیمہ زن تھے۔ اور وہ اپنی سواری کے جانور گھوڑا اونٹ وغیرہ مقام صمغہ کی کھیتوں میں چرنے چھوڑ رہے تھے۔ یہ کھیتیاں قبیلہ اوس اور خزرج کے تھے۔ اسی لئے ایک انصاری نے کہا کہ بنو قیلہ کی کھیتیاں اس طرح برباد ہو رہی ہیں اور ہم اس بربادی کو دیکھ کر بھی خاموش رہے۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ صرف سات سو جانباز بہادر تھے۔ آپ نے پچاس تیر انداز بہادروں کو گھاٹی کی حفاظت پر مقرر کیا۔ ان پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ اور ان تیر انداز مجاہدوں کو سخت تاکید کی کہ تم ہر حالت میں گھاٹی کی حفاظت کرنا۔ دشمن کا کوئی دستہ اس طرف سے حملہ کرے تو تم تیروں سے انہیں روک لینا۔ ہماری فتح ہو یا شکست ہر حالت میں گھاٹی کی حفاظت کرتے رہنا۔ اور کوہ گراں کی طرح اپنی جگہ پر جمے رہنا۔ اس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہ زیب تن فرمایا تھا۔ میدان احد کا علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ اور صف آرائی کی۔ آپ نے رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب کو ان کی صغیر سنی کی وجہ سے صف سے نکال دیا۔ لوگوں نے رافع بن خدیج کی تعریف کی کہ یہ زبردست تیر انداز اور نشانہ باز ہے۔ اس کا نشانہ خطا نہیں کرتا۔ اس تعریف پر آپ نے رافع بن خدیج کو صف میں داخل کر لیا۔ دوسروں نے کہا یا رسول اللہ! سمرہ بن جندب تو ایسے کشتی میں رافع بن خدیج کو زیر کر دیتا ہے۔ آپ نے سمرہ کو بھی داخل کر لیا۔ اس وقت ان دونوں کی عمر پندرہ سال تھی۔ ان کے سوا اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، زید بن ثابت، براء بن عازب، عمرو بن حزم، اسید بن ظہیر کو ان کی صغیر سنی کی وجہ سے صف میں داخل نہیں کیا گیا۔ البتہ غزوہ احزاب میں ان بزرگوں کو جنگ میں شریک کر لیا گیا۔ اس وقت ان بزرگوں کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس سے اس مسئلہ کی تحقیق ہوتی ہے کہ پندرہ سال کا بچہ رجال میں شمار ہوگا اور اس پر تمام احکام شرعیہ جاری ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ جنگ اور جہاد بھی اس پر فرض ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف قریش بھی جنگ و جدال کے لئے تیار ہو گئے اور صف آرائی کی۔ یہ تعداد میں تین ہزار سپاہی تھے۔ اور ان کے سوا دو سو گھوڑے سوار تھے۔ گھوڑے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو مقرر کیا۔ صحابہ کرام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار اٹھائی اور فرمایا! تم میں کون ہے جو اس تلوار کا حق ادا کرے۔ کچھ لوگ آگے بڑھے کہ وہ تلوار حاصل کریں لیکن آپ نے کسی کو وہ تلوار نہیں دی۔ پھر حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ نے کہا۔ اے رسول اللہ! اس کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اس کا حق یہ ہے کہ دشمنوں پر وار کرتے کرتے یہ تلوار ٹیڑھی ہو کر دو تا ہو جائے۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے رسول اللہ! میں اس کا حق ادا کرتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار ابو دجانہ کے حوالے کر دی۔

ابو دجانہ نہایت شجاع بہادر اور جنگجو تھے۔ جب وہ سرخ کپڑے کی پٹی سر سے باندھ لیتے تو سب کو یقین ہو جاتا تھا کہ زبردست خونریزی ہوگی۔ چنانچہ ابو دجانہ نے تلوار ہاتھ میں لی۔ سرخ کپڑے کی پٹی سر پر باندھی۔ اور اکڑتے ہوئے مسلم اور کفار کی فوجوں کے درمیان گھومتے رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابو دجانہ کی متکبرانہ چال کو دیکھا تو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس متکبرانہ چال کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ مگر اس موقع پر کہ مشرکوں کے دل و دماغ میں رعب اور ہیبت ڈالنے کے لئے کوئی متکبرانہ چال چلے تو اللہ پسند کرتا ہے۔

مسلمانوں کے خلاف ابو سفیان نے صف آرائی کی اور علمبردار قبیلہ بنو عبد الدار کو خوب ابھارا۔ اور کہا غزوہ بدر میں تمہارے جھنڈا اٹھانے والا تھا اور تم دیکھ لیا کہ ہماری ہزیمت اور شکست ہو گئی۔ اگر تم جھنڈا سنبھالو بہتر ہے ورنہ یہ جھنڈا ہمارے حوالے کر دو ہم خود اس کا معقول انتظام کر لیں گے۔ اس پر علمبردار بنو عبد الدار کی غیرت و حرارت کی لہر دوڑ گئی۔ اور سب نے جواب دیا۔ ستعلم غدا اذا التقینا کیف نصنع۔ یعنی اے ابو سفیان! کل ہماری جنگ دیکھ لو اس کا جواب ہو گی اور بتادیگی کہ ہم کون ہیں اور کس معیار پر ہیں۔ ان کافروں کی صفوں کے پیچھے پیچھے سردار ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ اپنی ہمجولی سہیلیوں کے ساتھ دف بجاتی گاتی تھیں۔ اپنی فوج میں جوش و جذبہ پیدا کر رہی تھیں اور ان میں حرب و قتال کی آگ بھڑکا رہی تھیں۔ اس دن مسلمانوں کا شعار تھا اَمِت اَمِت۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قریبی رشتہ دار تھا یعنی پھوپی زاد بھائی تھا۔ میں نے آپ سے تلوار مانگی لیکن آپ نے مجھ کو تلوار نہیں دی بلکہ حضرت ابو دجانہ کو دی اس سے مجھے سخت صدمہ ہوا اور میں نے طے کیا کہ ابو دجانہ کا جائزہ لونگا کہ اس میں کونسی خوبی ہے جس کی وجہ اس کو یہ تلوار ملی ہے۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ موت کی سرخ پٹی سر سے باندھے تھے نہایت جوش و جذبہ میں دو ضربی تلوار مارتے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے جس مشرک سے مقابلہ ہوتے فوراً اس کو قتل کرتے تھے۔ مشرکوں میں ایک شخص جنگجو تھا جو مسلمانوں کو کاری ضرب لگاتا خون کے فوارے اڑاتا آ رہا تھا۔ اتفاقاً اس مشرک اور حضرت ابو دجانہ کا مقابلہ ہو گیا۔ مشرک نے ابو دجانہ پر زبردست وار کیا لیکن ابو دجانہ نے نہایت پھرتی اور چالاکی سے دشمن کا وار اپنی ڈھال پر لے لیا۔ یہ اتنا سخت حملہ تھا کہ تلوار ڈھال میں دھنس گئی۔ پھر حضرت ابو دجانہ نے اسی زور سے تلوار چلائی کہ مقابل مشرک کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس طرح ابو دجانہ حملے کرتے جا رہے تھے۔

خود ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ دوران جنگ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو غضبناک تھا اور اپنے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا۔ میں نے اس کو قتل کرنے کے لئے تلوار اٹھائی تو وہ بلند آواز سے رونے لگا۔ میں نے غور کیا تو وہ عورت ہندہ بنت عتبہ تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی عزت کی کہ اس کو ایک عورت کے خون میں ملوث کرنا پسند نہیں کیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ارطاۃ بن شرحبیل کو قتل کیا جو مشرکوں کا علمبردار تھا۔ پھر سباع بن عبد العزیٰ مقابلے کے لئے آیا حضرت حمزہ نے اس کو بھی قتل کر دیا۔

جعفر بن عمرو اور عبید اللہ بن عدی نے روایت کی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہم دونوں سفر کرتے حمص پہنچے وہاں وحشی مقیم رہتے تھے۔ ہم نے خواہش کی کہ حضرت وحشی سے ملاقات کریں اور ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت معلوم کریں گے۔ چنانچہ ہم لوگ قاتل حمزہ وحشی کا مقام تلاش کرتے رہے۔ ایک شخص سے ملاقات ہوئی اس نے بتایا کہ وحشی اپنے گھر کے صحن میں رہتا ہے۔ اس سے ملاقات کرو۔ اگر وہ صحیح المزاج ہوگا تو وہ بہت معقول بات کرے گا اور ہر سوال کا جواب دیگا۔ اگر اس کے مزاج میں فتور ہو تو اس سے کوئی سوال مت کرو بلکہ اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ غرض ہم دونوں وحشی کے حضور پہنچے تو دیکھا کہ گھر کی انگنائی میں ایک شخص بیٹھے ہیں۔ اور بہت زیادہ بوڑھے تھے۔ ان کے بال سفید اور سیاہ تھے۔ ہم نے سلام کیا تو انہوں نے عبید اللہ بن عدی کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور کہا کیا تو عدی بن خیار کا بیٹا ہے؟ عبید اللہ نے کہا جی ہاں میں عدی بن خیار کا بیٹا ہوں۔ وحشی نے کہا میں تجھ کو اس زمانہ میں دیکھا تھا کہ تیری شیر خواری کا زمانہ تھا۔ وادی مکہ میں تیری ماں اونٹ پر سوار تھی اور میں تجھ کو کپڑے میں لپیٹ کر تیری ماں کو دیا تھا۔ اور وہ کپڑے کے کنارے پکڑ کر تجھ کو اٹھائی تھی۔ اس وقت میری نظر تیرے قدموں پر پڑی تھی۔ اب تک وہی یاد ہے۔ جونہی اب میری نظر تیرے قدموں پر پڑی میں پہچان لیا کہ یہ عدی بن خیار کا بیٹا ہے۔

عمرو بن امیہ اور عبید اللہ بن عدی دونوں بیٹھ گئے اور کہا کہ ہم سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بیان کرو کہ کس طرح تم نے انہیں شہید کیا تھا۔ وحشی نے کہا۔ ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجھ سے یہ درخواست کی تھی۔ اور میں نے آپ سے صحیح واقعہ بیان کیا تھا

# حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی قربانی

(بسلسلہ صفحہ اول)

اس طرح تو میں ... اتنے اسی انتقام کو بیان کرتا ہوں کہ میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا اور جبیر کا چچا طعیمہ بن عدی حمزہ کے ہاتھ سے بدر میں مارا گیا تھا۔ جبیر نے مجھ سے کہا کہ اگر میرے چچا کے مقابلہ میں تو حمزہ کو قتل کر ڈالے تو آزاد ہے۔ جب اہل قریش احد کے لئے روانہ ہوئے تو میں بھی ان کے ہمراہ احد کو روانہ ہوا۔ چونکہ میں حبشی الاصل تھا نیزہ اندازی میں کمال مہارت رکھتا تھا۔ جب ہم احد میں پہنچے اور صف آرائی ہو گئی تو میں ہر طرف نظریں دوڑاتا حمزہ کی تلاش اور جستجو کرتا تھا۔ اچانک وہ لوگوں کے کنارے سے گرد و غبار میں ظاہر ہوئے۔ اس تیزی سے تلوار چلا رہے تھے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ کسی کو تاب اور مجال نہیں تھی کہ حضرت حمزہ کے مقابل آ سکے۔ میں اپنی پوری تیاری کر رہا تھا اور درخت و چٹان کی آڑ لے رہا تھا۔ حمزہ مجھ سے قریب آئے تو حملہ کروں گا۔ اسی اثناء میں سباع بن عبد العزیٰ حضرت حمزہ کے مقابل آیا۔ حضرت حمزہ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ وحشی نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ٹھیک انداز سے نیزہ پھینک مارا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے زیر ناف سے گزرتا ہوا دونوں پاؤں کے درمیان سے نکل گیا۔ اس کاری ضرب پر بھی حضرت حمزہ نے جرأت کی اور وحشی کی طرف بڑھے لیکن ضرب کاری تھی۔ وہ چل نہ سکے اور گر گئے۔ میں نے مہلت دی کہ وہ ختم ہو گئے۔ پھر میں لاش کے قریب گیا اور اپنا نیزہ نکال لیا۔ پھر ہم مکہ واپس آئے تو میرے آقا نے مجھ کو حسب وعدہ آزاد کر دیا۔ میں نے مکہ ہی میں سکونت اختیار کی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کی اور مکہ فتح کر لیا تو میں طائف کو فرار ہو گیا۔ لیکن جب اہل طائف مسلمان ہونے کے لئے مدینہ روانہ ہوئے تو میری دنیا تنگ ہو گئی۔ ہر طرف مجھے راستے مسدود اور بند نظر آتے تھے۔ میں حیران اور پریشان تھا کبھی ملک شام کو فرار ہونا چاہتا تھا کبھی یمن میں زندگی گزارنا چاہتا تھی۔ کبھی دوسرے شہروں کے لئے غور کرتا تھا۔ اسی کشمکش میں تھا کہ میرے ایک دوست نے کہا تیری خرابی ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پاک عادت ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے اور شہادت پڑھ لیتا ہے اس کو ہرگز قتل نہیں کر سکتے بلکہ اس سے پیار اور محبت کرتے ہیں۔ اس کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ میں نے جب یہ سنا تو فوراً اپنا بستر اٹھایا اور مدینہ روانہ ہوا۔ دربار رسالت میں پہنچا اور سرور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور شہادت پڑھنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری نظر ڈالی اور فرمایا کیا وحشی آیا ہے؟ بیٹھ کر بیان کر! اے رسول اللہ! آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔

اور بتاؤ کہ تم نے حمزہ کو کیسے شہید کیا۔ میں نے سارا ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا آئندہ تم میرے سامنے مت آنا ... مجھ سے اپنی صورت چھپائے رکھو۔ اس کے بعد میری یہ حالت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ ہوتے تو میں دوسرے راستے سے گزرتا تھا کہ آپ کی نظر مجھ پر نہ پڑے یہاں تک کہ آپ رفیق اعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مجھے اپنے کردار سے سخت ندامت اور پشیمانی تھی۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری کا کافی احساس تھا۔ میں چپکے چپکے اپنے رب سے دعا کرتا تھا کہ خداوندا! ایام جاہلیت میں میں نے اشرف ترین مسلمان کو شہید کیا ہے تو اسلامی زندگی میں مجھ سے ایسا بدترین کافر ہلاک کرا کہ تلافی ہو سکے۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں مسلمانوں کی فوج مسیلمہ کذاب کی طرف روانہ ہوئی تو میں بھی اپنا وہی نیزہ لے گیا جس سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ جنگ یمامہ میں جب صف آرائی ہوئی تو مسیلمہ کذاب کو دیکھا کہ وہ تلوار لئے کھڑا ہے۔ میں نے اپنی پوری تیاری کی اور تاک کے نیزہ پھینک مارا جو اس ملعون میں پیوست ہو گیا۔ عین اسی وقت دوسری طرف سے ایک انصاری نے اپنی تلوار چلائی۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس کے حملہ سے جہنم رسید ہوا۔ اگر وہ میرے نیزے سے ہلاک ہوا ہے تو میں نے ایک خیر الناس کو شہید کیا ہے اور ایک شر الناس کو بھی ہلاک کیا ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سنا کوئی پکار کر کہہ رہا تھا کہ مسیلمہ کذاب کو ایک سیاہ فام یعنی حبشی غلام نے قتل کیا ہے۔ **فللّٰہ الحمد۔**

---

تخلقوا باخلاق اللّٰہ

**الغیرۃ من صفات حضرت الربوبیۃ**

محبت کی غیرت آمیزی کا پہلا سبق غیرت ہے۔ اور یہ سبق ہمیں اس آیت کریمہ سے ملا۔

**اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔**

اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں سے درگزر کر سکتا ہے مگر اس کو کبھی معاف نہیں کر سکتا کہ تم اس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو۔

سلطان محبت تمام گناہوں کو معاف کر سکتا ہے مگر اس کی عدالت میں اس جرم کا کوئی قانون نہیں ہے۔ اس کا آج بھی یہی قانون ہے۔ اور وہ آج بھی اپنے ہر بندے سے اسی کا مطالبہ کرتا ہے جس کے مطالبہ کے لئے اس نے آج سے ہزاروں برس پہلے ابراہیم کو اپنے بیٹے کے ذبح کر دینے کا حکم دیا تھا۔ ▲▲

اور یہی وہ انسان کی فطرت اصلیہ ہے جس کو قرآن کریم نے قلب سلیم کے لقب سے بھی یاد کیا ہے۔ یعنی قلب انسانی کی وہ بے میل حالت جو خارجی اثرات ملاوٹ سے بالکل محفوظ ہو یا فطرت اصلی کا وہ دودھ جو بے میل صحیح ہو جس کا ذائقہ کسی عارضی جاری کے اثر سے بگڑ نہ گیا ہو۔ کیونکہ انسان کے اندر جو کچھ ہے وہ اسلام ہے اور کفر جب آتا ہے تو باہر سے آتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیم کی نسبت تصریح کر دی گئی ہے۔ **اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔** (جب حضرت ابراہیم اپنے رب کی طرف قلب سلیم سے متوجہ ہوئے) اور پھر سورہ شعراء جو تھی رکوع میں حضرت ابراہیمؑ نے آذر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دعا کی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے:۔

**یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ**

وہ آخری روز عدالت جبکہ نہ تو مال و دولت کام دیگا اور نہ اہل و عیال کام آئیں گے یعنی کوئی مادی شے مفید نہ ہوگی مگر صرف وہ کامیاب ہوگا جس کے پہلو میں قلب سلیم ہے۔ یہی قلب سلیم تھا جس پر اجرام سماویہ کے مرئی مناظر فتح نہ پا سکے۔ اور اس نے حضرت ابراہیم کے دل کے اندر فاطر السمٰوات والارض کے وجود پر شہادت دی۔

**قَالَ بَلْ رَّبُّکُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَہُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ۔** ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو جواب میں کہا کہ وہ آسمان و زمین کا رب جس نے ان کو پیدا کیا۔ وہ تمہارا بھی پروردگار ہے۔ اور میں اس کے وجود پر شہادت دیتا ہوں۔

## حقیقت اسلامی کی اصلی آزمائش

اور سب سے آخر میں جب حقیقت اسلامی کی آخری مگر اصلی آزمائش کا وقت آیا تو وہ اسلام ہی تھا جس نے ابراہیمؑ کے ہاتھ میں چھری دے دی۔ تاکہ فرزند کو ذبح کر کے محبت ماسوی اللہ کی قربانی کرے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے اسماعیلؑ کی گردن جھکا دی تاکہ اپنی جان عزیز کو اس کی راہ میں قربان کرائے جبکہ اس نے پوچھا یا بُنَیَّ **اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی** اے فرزند عزیز میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے اللہ کے نام پر ذبح کر رہا ہوں۔ پھر تیرے خیال میں یہ بات کیسی ہے؟

یہ جو ابراہیمؑ کی نہیں بلکہ اسلام ہی کی صدا تھی اور پھر جب اس کے جواب میں اسماعیلؑ نے کہا:۔

**یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ**

اے باپ! اگر اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی اور اس کے حکم کا اشارہ ہے تو دیر نہ کیجئے۔ جو حکم ہے اس کو بجا لائیے۔ انشاء اللہ آپ مجھ کو اس کی مرضی پر صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

تو یہ بھی اسماعیل کی نہیں بلکہ اسلام ہی کی صدا تھی۔ پھر جب باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل زمین پر گرایا تو وہ اسلام ہی کا ہاتھ تھا جو ابراہیمؑ کے اندر سے کام کر رہا تھا۔ اور جب بیٹے نے اسی شوق و ذوق کے ساتھ جو ہونٹوں کو پیاسے کو آب شیریں سے ہوتا ہے اپنی گردن مضطرب ہو کر چھری سے قریب کر دی تو وہ حقیقت اسلامی کی محبت کا اشتیاق تھا جس نے نفس اسماعیل کو فنا کر دیا تھا۔ اور اسی نے مقام ایمان کو بقا ملتی ہے۔

**سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰہِیْمَ۔ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ۔** یہ سلام حقیقت اسلامی کی قربانی کرنے والے ابراہیمؑ پر! ہم مقام احسان تک پہنچنے والوں کو ایسا ہی بدلہ عطا فرماتے ہیں۔

بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

غافل مرو کہ نادریت الحرام عشق!
صد منزل است و منزل اول قیامت است

اللہ اللہ! اس محبت ساری الٰہی کا رعب و جمال کی مطلوق کوئی بیک ادا کرے حریم محبت کی ساری آرائش و محبت کی تمام ان کے چھینٹوں اور مضطرب واشکوں کو ترپ پر سے ہے۔ دوستوں کو کشتہ آہ جگر سوز کو بلندی دیتا ہے۔ باپ کے ہاتھ میں چھری دیتا ہے کہ بیٹے کو قتل کرے۔ اور بیٹے سے کہتا ہے کہ خوشی خوشی گردن جھکا دے۔ کیونکہ یہاں جان دینا ہی جینا ہے۔ یہ کوچہ عشق وہ ہے جہاں کا مرنا ہی جینا ہے۔

آہ! ایں چہ رسمیت کہ سر دادن ہی اور قربانی ہر وجود قابل جاہ وہد!

حضرت ابراہیمؑ کے دل میں اپنی محبت کے ساتھ بیٹے کی محبت گوارا نہ ہوئی اور اسماعیلؑ کے پہلو میں اپنے گھر کو دیکھا تو محبت نفس و جان کی پرچھائیں نظر آئی۔

عشق است و ہزار بدگمانی

غیرت الٰہی نے اس کو بھی منظور نہ کیا۔ حکم ہوا کہ اگر پیچ محبت کے مقابلہ ہے تو بیٹے کے لئے خالی کرو۔ پھر اس طرف ۲۰

# قرآن مجید کی معجز نمائی

(سلسلہ گزشتہ)

**پیشین گوئی نمبر ۳** سفر حدیبیہ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے ہمراہ صحابہ کرام کی جماعت مکہ میں داخل ہو گئی ہے۔ اور نہایت امن و اطمینان سے ارکان حج وغیرہ ادا کر رہے ہیں۔ کوئی سر منڈا رہا ہے کوئی بال کترا رہا ہے۔ وغیرہ۔ مسلمان اس خواب سے بہت خوش ہوئے۔ اور یقین تھا کہ ضرور مکہ میں داخل ہوں گے۔ اسی لئے جب وہ مدینہ سے روانہ ہوئے تو بے ہتھیار تھے جب مقام حدیبیہ پر پہنچے تو کفار مکہ نے روک دیا۔ مکہ میں جانے نہ دیا۔ اس سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا اور مخالفین کو طعن و تشنیع کا موقع ہاتھ آیا۔ اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کو غلط بتایا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان آیات شریفہ کو نازل فرمایا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ (الآیۃ) (الفتح)

اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیا۔ ضرور تم مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ امن کے ساتھ سر منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے۔ اللہ خوب جانتا ہے جو تم نہیں جانتے دخول مکہ سے پہلے ایک فتح دیدیا۔

اس پیشین گوئی کے مطابق دوسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مکہ تشریف لے گئے اور آرام و اطمینان سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ اس وقت تین دن قیام فرمایا۔ امن و سلامتی میں رہے کوئی خوف و ہراس ان پر طاری نہ تھی۔

صلح حدیبیہ کو اللہ نے فتح قریب بتایا حالانکہ اس صلح میں جن شرائط پر معاہدہ ہوا تھا وہ بظاہر مسلمانوں کے حق میں مفید نہ تھا وہ یہ کہ اگر مکہ میں کوئی کافر مسلمان ہو جائے اور بھاگ کر مدینہ آ جائے تو مسلمانوں کا حق ہوگا کہ اس مسلمان کو گرفتار کریں۔ اور کفار مکہ کے حوالہ کر دیں۔ اگر مدینہ سے کوئی مسلمان کافر ہو جائے اور مکہ واپس آ جائے تو کفار کا حق نہ ہوگا کہ اس کو گرفتار کریں۔ اور مسلمانوں کے حوالہ کریں۔

اسی شرط کی وجہ جب ابو جندل مسلمان ہوا اور کفار مکہ کی ایذادہی اور سختیوں سے تنگ آگیا اور اس کو معلوم بھی ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ میں تشریف فرما ہیں۔ اور تمام مسلمانوں کی قدسی جماعت آپ کے ہمرکاب ہے۔ ابو جندل نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مکہ سے روانہ ہوا۔ قطع مسافت کر کے حدیبیہ پہنچا اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ مگر آپ نے شرط کے بموجب اسے پھر کفار کے حوالے کر دیا۔

اس شرط پر اکثر مسلمانوں کو اضطراب اور تکدر پیدا ہوا۔ اللہ کی شان تھی۔ یہی شرط مسلمانوں پر فتح و نصرت کے دروازے کھول دی۔ کفار نادم اور پشیمان ہوئے خود دربار رسالت میں پہنچے اور اس شرط کو منسوخ کروایا۔ نیز اللہ نے اس صلح پر مسلمانوں کے لئے کئی پیشین گوئیاں کیں۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا۔ (الفتح) اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ بہت غنیمتیں تم کو دیگا جن کو تم حاصل کرو گے۔ دیگر غنائم ہیں۔ تا ہنوز تمہاری رسائی وہاں تک نہیں ہوئی۔ لیکن اللہ کے قابو میں ہیں۔

چنانچہ ان بشارتوں اور پیشین گوئیوں کی صداقت فوراً ہی ظاہر ہونے لگی۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً خیبر فتح کیا جس کی وسیع اراضی مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اگر مسلمان دنیاداری کرتے تو اتنی زمین بھی نکالتے نیز فتح خیبر سے مسلمانوں کی دھاک اور ہیبت بہت دور دور تک پھیل گئی۔ پھر مکہ اور حنین فتح ہوئے۔ اب مسلمانوں کی ہر طرف فتح ہو رہی تھی۔ زر و جواہر سے مدینہ کی وادی بھر رہی تھی۔ پھر خلفاء کے زمانہ میں ایران اور روم کے خزانے بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ مدینہ میں ہر شخص کروڑہا روپیہ کا وارث تھا۔ فقیر اور محتاج نظر نہیں آتا تھا۔ یقیناً یہ اللہ کی بشارتیں تھیں جو بالکل صحیح اور صادق آئیں۔

## لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل

اللہ تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر اور قوی ہے۔ مخلوق میں کوئی چیز نہیں جو اسکے سامنے نظر اٹھا سکے۔ اگر وہ اپنی تجلی ظاہر کر دے تو دنیا اور ساری کائنات کو جلا دے۔ اس کے صفات بھی زبردست اور قوی ہیں۔ مخلوق میں کوئی چیز نہیں جو کسی صفت کو برداشت کر سکے۔ مقام طور میں جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تو انہیں خواہش دیدار ہوئی۔ کہا:- رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ (الاعراف)

اے رب مجھ پر ظاہر ہو کہ میں تجھ کو دیکھوں۔ اللہ نے کہا اے موسیٰ تو مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن اس پہاڑ کی طرف نظر کر اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو تو مجھ کو دیکھ سکے گا۔ پھر اللہ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی اسکو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

تجلیات اور صفات میں اتنی قوت پوشیدہ ہے کہ اس کی کوئی تاب نہیں لا سکتا۔ انبیاء کرام کی قوت بہت زبردست ہوتی ہے۔ کائنات اور مخلوقات کی ساری چیزوں پر حاوی ہوتی ہے۔ کوئی چیز ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور پیغام موت سنایا۔ موسیٰ نے فرشتہ کی آنکھ پر طمانچہ مارا اور اس کو پھوڑ دیا۔ فرشتہ اللہ کے پاس لوٹ گیا۔ اور کہا خداوندا تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا۔ جو موت پسند نہیں کرتا۔ اس نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ اللہ نے فرشتہ کی آنکھ درست کر دی اور کہا۔ واپس جاؤ اور موسیٰ سے کہہ دو کہ اگر تمہیں زندگی منظور ہے تو بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھو جتنے بال ہاتھ کے نیچے آجائیں اتنے سال حیات بڑھا دی جائیگی موسیٰ نے کہا پھر کیا ہوگا۔ کہا پھر مرنا ہوگا۔ موسیٰ نے کہا جب مرنا ٹھہرا تو اب ہی مرنا بہتر ہے۔ پھر دعا کی۔ خداوندا مجھے بیت المقدس سے قریب کر دے کہ ایک پتھر پھینکنے کی مسافت تک پہنچوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں موسیٰ کی قبر بتا (دیتا) جو سڑک کے پہلو میں سرخ ٹیلے سے قریب ہے۔ (متفق علیہ)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ موسیٰ نے فرشتہ کو طمانچہ مارا اور اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے نبوت کی قوت کتنی ہوتی ہے۔ نیز جب اللہ نے طور پر اپنی تجلی ڈالی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تو انسانی تقاضا تھا کہ موسیٰ بھی مر جاتے۔ اور آپ کی ہڈی پسلی کچھ باقی نہ رہتی مگر موسیٰ صرف بے ہوش رہے۔ اور ان پر مزید کچھ اثر نہ ہوا۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت اور قوت بھی بہت زیادہ تھی۔ حدیث میں ہے ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ اے رسول اللہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مقام بطحیٰ میں دو فرشتے آئے۔ ایک زمین پر اترا۔ دوسرا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہا۔ ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ کیا یہ وہی شخص ہے؟ دوسرے نے بتایا ہاں۔ اور کہا اس نبی کو ایک آدمی کے ساتھ تولو۔ میں تولا گیا تو غالب آیا۔ پھر کہا دس آدمیوں کے ساتھ تولو۔ میں تولا گیا تو غالب آیا۔ پھر کہا دس آدمیوں کے ساتھ تولو۔ میں تولا گیا تو غالب آیا۔ پھر کہا سو کے ساتھ تولو۔ جب بھی میں ہی غالب رہا۔ پھر کہا ہزار کے ساتھ تولو۔ چنانچہ میں تولا گیا۔ جب بھی غالب رہا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں۔ خفت میزان کی وجہ لوگ مجھ پر گر رہے تھے۔ پھر فرشتے نے اپنے ساتھی سے کہا اگر اس کو ساری امت کے ساتھ تولا جائے تب بھی یہ تنہا سب پر غالب آئے گا۔

(رواہ الدارمی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ساری امت اور اس کی قوت ہیچ ہے۔ کفار مکہ میں ابو الاشد اسید بن کلدہ مشہور پہلوان گزرا ہے۔ یہ بیل کے کچے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی اس چمڑے کو کھینچتے تو چمڑا پھٹ جاتا اور ٹکڑے ہو جاتا مگر یہ ظالم اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا اس کو اپنی قوت اور پہلوانی پر ناز تھا۔ اسی کی شان میں یہ آیت ہے۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ (البلد) کیا اس نے یقین کر لیا ہے کہ اس پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔

اس شخص نے کئی مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی لیکن ہر مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پچھاڑا جس آسانی سے بڑا آدمی بچہ کو پچھاڑتا ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب میں اپنی تمام بیویوں سے ملاقات کرتے اور غسل فرماتے (مسلم) اس حدیث سے آپ کے ایام پیری کی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے صرف آپ کی بیوی خدیجہ اور زینب ام المساکین رضی اللہ عنہما وفات پا چکی تھیں باقی تمام بیویاں عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ، زینب، میمونہ، جویریہ اور صفیہ رضی اللہ عنہن زندہ تھیں۔ جب آپ نے صفیہ سے نکاح کیا تھا آپ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ اس ساٹھ سالہ زندگی میں ایک شب میں تمام بیویوں سے ملاقات فرماتے اور ایک غسل کرتے تھے۔ آپ کی جسمانی قوت کس قدر مضبوط اور پائیدار تھی۔

پہاڑوں میں مضبوطی، سمندروں میں گہرائی، پانی میں روانی، اور آتش میں حرارت سوزان ضرور ہے مگر کوئی چیز قوت نبوت

(باقی صفحہ پر)

# حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک

دورِ جدید کے لوگوں کی یہ کتنی بڑی قسمت ہے کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے انسان کے ہر رنگ زیبا کا احساس نہیں کر سکتے ہیں۔ اور یہ ہم عام واقف ہیں کہ آنکھوں سے زیادہ دل کو متاثر نہیں کر سکتی ہیں۔ ہم حضور کے حسن و جمال کی جو کچھ بھی جھلک پا سکتے ہیں، وہ حضور کے پیغام اور کارنامے کے آئینے میں پا سکتے ہیں۔

حضور کی کوئی حقیقی شبیہ یا تصویر موجود نہیں ہے۔ خود ہی حضور نے امت کو اس سے باز رکھا کہ کوئی تصویر کا فتنہ شرک سے دور رہے۔ اس لئے کہ اگر حضور کی کوئی تصویر موجود ہوتی تو نہ جانے اس کے ساتھ کیا کیا کرامات اور اعجاز منسوب ہو جاتے۔ اور اس کے آگے سر جھکائے جاتے [illegible] بلکہ بعید نہ تھا کہ اس کی پرستش ہونے لگتی۔ یورپ میں حضور کی فرضی تصاویر بنائی جاتی رہی ہیں جن کو نہ آرٹسٹ [illegible] کہ حضور کے عام جمال اور کردار کا [illegible] دکھا سکے۔ اور پھر اس تصور کو [illegible] اور رنگوں میں پوری طرح جلوہ گر کر سکے۔ یہ تصویریں جو کھینچی گئی ہیں وہ اس محبوب ہستی کی شبیہ نہیں، جس کا اسم مبارک محمد تھا۔ بلکہ کسی موہوم وجود کا خاکہ [illegible] کر اس کو حضور کا نام دے دیا جاتا ہے۔ معاملہ دیانت کے تابع [illegible] دانستہ ایسی تصویریں پیش کی جاتی ہیں جن سے ایک [illegible] اور ناقص شخصیت کا تصور پیدا ہو۔ ان تصاویر کے لئے رنگ اپنی متعصبانہ ذہنیت اور جذبوں سے لیا جاتا ہے [illegible] اور حقیقت ناشناسی کے [illegible] انبیاء اور صلحاء کی فرضی تصاویر بنانے یا ان کے کردار [illegible] میں لانے سے نقصان یہ ہے کہ ان کے اصل کردار [illegible] بالکل گم ہو کے رہ جاتے ہیں۔ حضور کے صحابہ نے کم سے کم [illegible] الفاظ میں حضور کی شبیہ کو مرتب کر دیا ہے۔ اور اسے محفوظ حالت میں احادیث و روایات نے ہم تک پہنچایا ہے۔ یہاں ہم اسی لفظی شبیہ کو پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین حضور کے کردار کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس عظیم انسان کی ایک جھلک دیکھ لیں، یہ گویا ایک [illegible] کی ملاقات ہے۔!

ایک تعارف ۔۔ !!

حضور کے جسم اطہر، قد و قامت، خد و خال، چال ڈھال اور وجاہت کا جو عکس صحابہ کے [illegible] سے ہم تک پہنچا ہے وہ بہر حال ایک ایسے انسان کا تصور لاتا ہے جو [illegible] شجاعت، صبر و استقامت، [illegible] و دیانت، اعلیٰ اخلاق،

صفات، [illegible] اور فصاحت و بلاغت جیسے اوصاف حمیدہ کا جامع تھا۔ کہنا چاہئے کہ حضور کے جسمانی نقوش میں روحِ نبوت کا پرتو دیکھا جا سکتا ہے اور آپ کی وجاہت خود آپ کے مقدس مرتبہ کی ایک دلیل تھی۔ اسی موقع پر آپ کا ارشاد آیا کہ:

ان تقوی اللہ [illegible]

[illegible] تقویٰ ہی چہروں کو روشن کرتا ہے [illegible] تو ایمان و تقویٰ کی معراج ہے۔ جن کا چہرہ تو نور افشاں ہونا ہی چاہئے۔ یہ ہے اس آفتاب ہستی کی ایک جھلک ۔۔۔

## وجاہت

"میں نے جونہی حضور کو دیکھا تو فوراً سمجھ لیا کہ آپ کا چہرہ ایک جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔" (عبد اللہ بن سلام)

"میں اپنے بیٹے کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا تو لوگوں نے دکھایا کہ یہ ہیں خدا کے رسول۔ دیکھتے ہی میں نے کہا۔ واقعی یہ اللہ کے نبی ہیں۔" (شمائل ترمذی) (ابو رمثہ تیمی)

"مطمئن رہو۔ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا۔ وہ کبھی تمہارے ساتھ بددیانتی کرنے والا شخص نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا آدمی اونٹ کی قیمت ادا نہ کرے تو میں اپنے پاس سے ادا کر دوں گی۔" (ایک معزز خاتون)

"میں نے ایسا خوبرو شخص کوئی اور نہیں دیکھا۔ (یہ عورت حضور کی خدمت میں ابو قرصافہ کے ساتھ بیعت اسلام کے لئے آئی تھیں اور لوٹتے ہوئے انہوں نے (بیٹے) سے تاثرات بیان کئے۔) ہم نے اس کے منہ سے روشنی نکلتے دیکھی ہے۔" (ابو قرصافہ کی والدہ اور خالہ)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوب رو کسی کو نہیں دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا آفتاب چمک رہا ہے۔" (ابوہریرہ)

"اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو سمجھتے کہ سورج طلوع ہو گیا ہے۔" (ربیع بنت معوذ)

"دیکھنے والا پہلی نظر میں مرعوب ہو جاتا ہے۔" (حضرت علی)

"میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور کو دیکھ رہا تھا۔ آپ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ کو۔ بالآخر میں اس فیصلے پر پہنچا کہ حضور اکرم چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔" (حضرت جابر بن سمرہ)

"خوشی میں حضور کا چہرہ ایسا چمک اٹھتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ اسی چمک کو دیکھ کر ہم آپ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔" (کعب بن مالک)

"چہرہ [illegible] چاند کی سی چمک تھی۔" (ہند بن ابی ہالہ)

"بدر کی طرح گولائی لئے ہوئے۔" (براء بن عازب)

## چہرہ

"چہرہ بالکل گول نہیں تھا۔ ہلکی گولائی لئے ہوئے۔" (حضرت علی)

"پیشانی کشادہ۔ ابرو خمدار۔ باریک اور گھنے۔ دونوں جدا جدا۔ دونوں کے درمیان ایک رگ کا ابھار جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتا۔" (ہند بن ابی ہالہ)

"مسرت پیشانی سے ٹپکتی تھی۔" (کعب بن مالک)

## رنگت

"نہ چونے کی طرح سفیدی۔ نہ سانولا پن۔ گندم گوں جس میں سفیدی غالب تھی۔" (حضرت انس)

"سفیدی سرخی مائل۔" (حضرت علی)

"سفیدی میں ملاحت دار۔" (ابو الطفیل)

"سفید چمکدار۔" (ہند بن ابی ہالہ)

"گویا چاندی سے بدن ڈھالا ہوا۔" (حضرت ابوہریرہ)

## آنکھیں

"آنکھیں سیاہ۔ پلکیں دراز۔" (حضرت علی)

"پتلیاں سیاہ۔ نظر نیچی۔ گوشۂ چشم سے دیکھنے کا عام انداز۔" (ہند بن ابی ہالہ)

"سفیدی میں سرخ ڈورے۔ آنکھوں کا شگاف لمبا۔ قدرتی سرمگیں۔" (جابر بن سمرہ)

## ناک

"بلندی مائل، اس پر نورانی چمک جس کی وجہ سے ابتدائی نظر میں بڑی معلوم ہوتی۔" (ہند بن ابی ہالہ)

## رخسار

"ہموار اور ہلکے ہلکے۔ گوشت ڈھلکا ہوا۔" (ہند بن ابی ہالہ)

## دہن

"فراخ۔" (جابر بن سمرہ)

"باعتدال فراخ۔" (ہند بن ابی ہالہ)

## دندان مبارک

"باریک آبدار۔ سامنے کے دانتوں میں [illegible] خوشنما ریخیں۔" (حضرت ابن عباس)

"تکلم فرماتے تو دانتوں سے نور سا نکلتا معلوم ہوتا۔" (حضرت انس)

## ریش

"بھرپور اور گنجان بال۔" (ہند بن ابی ہالہ)

## گردن

"پتلی، لمبی۔ جیسے مجسمے کی طرح [illegible] صاف [illegible]۔ گردن کی رنگت چاندی جیسی اجلی اور خوشنما۔" (ہند بن ابی ہالہ)

## سر

"بڑا۔ مگر اعتدال اور مناسبت کے ساتھ۔" (ہند بن ابی ہالہ)

## بال

"ذرا خمدار۔" (حضرت ابوہریرہ)

"نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے نہ بالکل پیچدار۔" (قتادہ)

"ہلکا خم لئے ہوئے۔" (حضرت انس)

"گھنے۔ کبھی کانوں کی لو تک، کبھی شانوں تک۔" (براء بن عازب)

"درمیان سے نکلی ہوئی مانگ۔" (ہند بن ابی ہالہ)

"بدن پر بال زیادہ نہ تھے۔ سینہ سے ناف تک بالوں کی لکیر۔" (حضرت علی)

"کندھوں، بازوؤں اور سینے کے بالائی حصہ پر تھوڑے سے بال تھے۔" (ہند بن ابی ہالہ)

## مجموعی ڈھانچہ

"بدن گٹھا ہوا۔ اعضاء کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط۔" (ہند بن ابی ہالہ)

"بدن موٹا نہیں تھا۔" (حضرت علی)

"قامت مائل بدرازی۔ مجمع میں ہوں تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔" (براء بن عازب)

"نہ تو زیادہ لمبا قد نہ پست، بلکہ میانہ۔" (حضرت انس)

"توند بڑھی ہوئی نہ تھی۔" (ام معبد)

"[illegible] قسم کے چہرہ اور [illegible] والوں سے حضور کا جسم (باوجود فقر و فاقہ کے) زیادہ تر و تازہ اور توانا تھا۔ (ایک مرتبہ حضور نے ۶۳ اونٹ اپنے ہاتھوں سے نحر کئے۔)" (المواہب ج ۱ ص ۳۱۰)

"میں نے رسول اللہ سے بڑھ کر کوئی اور بہادر اور زور آور نہیں دیکھا۔" [illegible] عرب میں رکانہ نامی ایک پہلوان تھا جو اکھاڑوں میں کشتیاں لڑتا۔ ایک دن حضور کی [illegible] سے ملا اور [illegible] کی دعوت دی۔ اس نے دعوت کے لئے کوئی معیار [illegible] طلب کیا۔ اس کے ارادے کے پیش نظر حضور نے کشتی لڑنا قبول فرمایا۔ تین بار کشتی ہوئی اور تینوں بار آپ نے اسے پچھاڑ دیا۔ اس رکانہ پہلوان کے بیٹے ابو جعفر کی یہ روایت حاکم نے مستدرک میں لی ہے۔ اور ابوداؤد اور ترمذی نے [illegible] لیا ہے۔ بیہقی نے سعید بن جبیر کی دوسری روایت لی ہے۔ جس میں آتا ہے کہ حضور نے [illegible] سب لوگوں کو پچھاڑ [illegible] جس میں ایک اونٹ [illegible]

# کندھے اور سینہ

بخاری (الوابب ج اص ۳۰)

سینہ چوڑا۔ سینہ اور پیٹ ہموار۔ (بخاری و ابی ہالہ)

"سینہ چوڑا" (بخاری و عازب)

"موڑھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانہ سے زیادہ تھا"

(بخاری ابی ہالہ۔ براء بن عازب)

"کندھوں کا درمیانی حصہ پرگوشت تھا"

(حضرت علی)

# بازو اور ہاتھ

کلائیاں دراز۔ ہتھیلیاں فراخ

انگلیاں موزوں حد تک دراز تھیں

(بن ابی ہالہ)

"ریشم کا کپڑا یا ریشم کوئی کپڑا اور چیز ایسی نہیں جسے میں نے چھوا اور وہ حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم ہو"

(حضرت انس)

# قدم

پنڈلیاں پرگوشت نہ تھیں بلکہ کم گوشت تھیں

(جابر بن سمرہ)

ہتھیلیاں اور پاؤں پرگوشت تھے۔ قدم چکنے کہ پانی نہ ٹھہرے

(ہند بن ابی ہالہ)

"ایڑیوں پر گوشت بہت کم تھا"

(جابر بن سمرہ)

# ایک جامع لفظی تصویر

یوں تو حضور کے متعدد رفقاء نے حضور کی شخصیت کے مرقع لفظوں میں کھینچے ہیں لیکن ام معبد نے جو تصویر مرتب کی ہے اس کا جواب نہیں۔ واقعہ ہجرت کا سفر طے کرتے ہوئے مسافر حق جب اپنی منزل اول (غار ثور) سے چلا تو پہلے ہی روز قدیم خزاعہ کی ایک بیابانی بڑھیا کا خیمہ راہ میں پڑا۔ حضور اور آپ کے ہمراہی پیاسے تھے۔ خیمہ خالی تھا کہ مریل سی کمزور بکری نے اس کے واقف ستوار میں دودھ دیا۔ حضور نے بھی پیا اور چھوڑ دیا۔ ام معبد کے شوہر نے گھر آکر دودھ دیکھا تو اچنبھے سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا۔ ام معبد نے سارا حال بتا دیا۔ وہ پوچھنے لگا کہ اچھا اس قریشی نوجوان کا نقشہ تو بیان کرو۔ یہ وہی تو قریشی ہے جس کی جستجو ہے۔ ام معبد نے حسین ترین الفاظ میں تصویر کھینچی۔ ام معبد کو نہ تو کوئی ذاتی تعلق تھا نہ کسی طرح کا تعصب بلکہ جو کچھ دیکھا سچ سچ کہہ دیا۔ اصل عربی میں دیکھنے کی چیز ہے اس کا ترجمہ مؤلف "رحمۃ للعالمین" نے کیا ہے۔ اسی کو ہم یہاں لے رہے ہیں۔

"پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ توند نکلی ہوئی نہ سر کے بال گرے ہوئے، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرمگیں چشم

# جھلک:- قرآن مجید کی معجز نمائی

کے متعدد کی تاب نہیں لا سکتی، دیکھو حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر آگ کا گلزار ہونا، موسیٰ کلیم اللہ پر دریائے نیل کا پھٹ جانا بہت آسان تھا۔ ... بڑے صاحب دم۔ اس کی وسعت اور طاقت ایمان کے مقابلہ میں کچھ نہ تھی۔ جب یہ آیت تجلیات اور صفات الٰہیہ کے مقابل ہوتے ہیں تو فورا کمزور اور ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں کیونکہ تو ہی تجلیات وغیرہ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ یہی رمز تھا اور یہ موسیٰ جیسے فرشتہ کو طمانچہ مارا اور جبرئیل کے سینہ کو پھاڑ دیا۔ لیکن مقام طور پر جب تجلی ربانی کا نظارہ کیا تو بے ہوش ہو گیا۔ اور تاب دید باقی نہ رہی۔ قرآن اللہ کا مقدس کلام اور اس کی صفت ہے۔ اس میں بھی وہی حرارت اور توانائی ہے جو دوسرے صفات الٰہیہ میں پائی جاتی ہے۔ جب اس کی ایک یا دو آیتیں نازل ہوتیں تو رسول اللہ بے ہوش ہو جاتے اور آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ حدیث میں ہے حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو تو مجھ کو دکھانا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ مقام جعرانہ میں تھے۔ ایک شخص آیا اور کہا اے رسول اللہ کیا فرماتے ہیں۔ کوئی شخص عمرے کا احرام باندھتا ہے اور وہ خوشبو میں لتھڑا ہوا ہے۔ آپ خاموش رہے۔ پس وحی نازل ہوئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یعلیٰ رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا۔ پس یعلیٰ رضی اللہ عنہ آئے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑے کا سایہ کر دیا گیا تھا۔ یعلیٰ نے اپنا سر اندر داخل کیا اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک نہایت ہی سرخ ہو چکا ہے۔ سانس پھول گئی ہے اور تیز رفتاری سے خراٹے کی آواز آرہی

ہے۔ جب یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا کہاں ہے جس نے عمرہ کا مسئلہ پوچھا تھا۔ وہ آدمی لایا گیا۔ آپ نے فرمایا خوشبو کو تین مرتبہ دھو ڈالے۔ جبہ اتار دے اور عمرہ میں ویسے ہی کر جیسے حج میں کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ کو دیکھا سخت ترین سردی کے وقت آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کی پیشانی مبارک پسینہ سے تربتر ہو جاتی۔ حارث رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کبھی تو مجھ پر وحی آتی ہے جو مشابہ ہے گھنٹی کی آواز کے اور یہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہے کہ آپ پر جب ایک دو آیتیں نازل ہوتیں تو آپ کو ایک تکلیف ہوتی۔ چہرہ سرخ ہو جاتا۔ سانس پھول جاتی۔ پیشانی پسینہ سے بھر جاتی اور آپ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اگر ایک مرتبہ تمام قرآن آپ پر نازل کیا جاتا تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ آپ کی کیا حالت ہوتی۔ جس قرآن نے آپ کی قوت ہوش کو کمزور کر دیا اور آپ کو بے ہوش سا بنا دیا اگر وہ پہاڑ پر اتارا جاتا تو طور کی طرح ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ سمندر پر اترتا تو خشک کر دیتا۔ اگر زمین پر اتارا جاتا تو زلزلہ پیدا کر دیتا۔ یہی ہمارا ایمان ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر)

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو وہ اللہ کے ڈر سے جھک جاتا اور پھٹ جاتا۔

— : — : —

"... بارعب، رسیدہ ابرو، سیاہ گھنگریالے بال، خاموش وقار رکھتا، گویا دل بستگی لئے ہوئے، دور سے دیکھنے میں زیبندہ و دلفریب، قریب سے نہایت شیریں و کمال حسن، شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی و بیشی الفاظ سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، میانہ قد کہ کوتاہی نظر سے حقیر نظر نہیں آتے۔ نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر والا قد، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں۔ جب حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم، مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو"

# کھلی چٹھی

## بنام فضل الرحیم صاحب چناواڑی کرنول

ناظرین کرام کو یاد ہوگا کہ گذشتہ سال کی مختلف اشاعتوں میں ہم نے بتایا تھا کہ کرنول کی جامع مسجد اہل حدیث کے رکن فضل الرحیم صاحب نے عبدالسلام صاحب فاروقی کے چندہ میں بددیانتی سے کام نہیں لیا ہے۔ اس کے بعد ہم سمجھے کہ یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ کوئی غیور اور خوددار طبیعت ان جیسا ہو تو بے شک دوبارہ ان حرکتوں کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پھر وہی واقعات دوبارہ ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس مرتبہ خود فضل الرحیم صاحب سے گذارش ہے کہ اس سال عبدالسلام کے لئے جو چندہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے وہ خود اس کی اس کی مفصل فہرست مسجد میں آویزاں کیجئے اور ایک کاپی برائے اشاعت اخبار محمدیہ کے دفتر میں بھیج دیجئے نیز مقدمہ نمبر 312 کے گواہ جناب محبوب علی خان صاحب منڈوڑی سابق چیرمین اور یل اے کرنول۔ مسٹر خواجہ میاں صاحب سابق ڈپٹی مجسٹریٹ کرنول۔ ایم۔ عبدالغنی خان صاحب نیز جناب سرور خان منڈوڑی وغیرہ وغیرہ ان گواہوں کا حق ہے کہ وہ ہماری گذارش پر توجہ کریں اور فضل الرحیم صاحب سے چندہ کی فہرست مسجد میں آویزاں کرائیں اور اس معاملہ کو تاریک نہ کریں۔ (باقی آئندہ)

# اسلام میں مساوات

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

# مسلمانوں کی موجودہ حالت

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

# تعلیم جدید

علم حاضر کی بہ معیار انگلستان بھی ہوئے
شکل انجم اپنی قوم پرورش بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے
صفت طائر گم کردہ نشیمن بھی ہوئے
حال اماں کا ہے نو اور زبون کرتی ہے
شب ماہ سایہ کا ظلمت کو فزوں کرتی ہے

# فتاویٰ

اعلا واقع ہے کہ یہاں کے چند احباب حنفیہ کے بولنے پر احقر محمد لقمان نے حسن البیان بجواب سیرۃ النعمان مولفہ امام المناظرین سید المحدثین علامہ محمد عبد العزیز محدث رحیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب الجواب جو آپ یا مفتی دارالعلوم دیوبند کو لکھا تو مفتی صاحب نے اول یہ لکھا کہ حسن البیان اب تک نظر سے نہیں گذری تو میں نے حسن البیان کو مفتی صاحب کی خدمت میں برائے ملاحظہ ارسال کیا۔ تو مفتی صاحب نے بعد ملاحظہ حسن البیان کے جو جواب دیا ہے وہ دوسرے کاغذ پر درج ہے جس میں موصوف نے علامہ رحیم آبادی کی بہت تخفیف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ کتاب حسن البیان دائرہ تہذیب سے بھی خارج ہے اس کا مطالعہ نہ کیا جائے۔

مفتی صاحب کا جواب ملاحظہ کرکے ہم کو بہت افسوس ہوا کہ مفتی صاحب نے جواب میں بہت کچھ سخت الفاظ استعمال کئے ہیں اور حق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اس لئے آپ محترم کی خدمت میں یہ جواب مفتی صاحب کا بھیج رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ اس جواب کا جائزہ لیکر تحقیق تو ارشاد فرماکر ممنون کریں اور عزیز میں شائع کردیں۔ فقط

آپ کا خادم خاص
محمد لقمان ابن عبد الرحمٰن

**الجواب۔**

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی۔

علامہ شبلی نعمانی گو خود عدم تقلید کی جانب مائل تھے مگر انہوں نے سیرۃ النعمان میں امام اعظم ابو حنیفہ کے کچھ مناقب و مناصب بیان کئے ہیں، اگرچہ وہ دوسرے درجہ قدم ہی ہیں اس کو بھی صاحب حسن البیان برداشت نہ کرسکے۔ اور علامہ شبلی پر دکھا بیان کیا سارا زور قلم امام ابو حنیفہ پر اپنی لکھنے کی سعی نا مشکور کی ہے۔

اور تحریف و تصحیف اور کچھ دوسرے مضمون کو بگاڑ کر ختم کرنے کے جتنے حربے ان کو ملے سب استعمال کر ڈالے جن سے مقصد یہ تھا کہ ۔۔۔

چراغ کے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آنکہ تف زند ریشش بسوزد

موصوف کے اس رد و طرز سے امام صاحب کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ البتہ موصوف کو اپنا نامۂ اعمال ضرور سیاہ کرنا پڑا اور دنیا و آخرت ہر دو الزام سے ملا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کی شخصیت وہ

حیثیت کو اللہ رب العزت نے بطفیل اتباع دین نبوی روز روشن کی طرح درخشاں و آشکارا کیا ہے۔ کوئی بات مولف موصوف نے ایسی نہیں کہی ہے جس کا رد بار بار ہوچکا ہو۔ آفتاب پر دھول ڈالنے کی کوشش کرنے والے سے آفتاب کا کچھ نقصان نہیں ہوتا خود اسی شخص پر وہ سب گرد آتی ہے۔

یہ کتاب (حسن البیان) دائرہ تہذیب سے بھی خارج ہے اس کا مطالعہ ہرگز نہ کیا جائے فقط والسلام۔

| | |
|---|---|
| سید احمد علی سعید | محمود غفی عنہ |
| دارالعلوم دیوبند | ۳ ۔۔۔ ۔۔ |
| ۳ ذی الحجہ ۔۔ | |

بندہ۔ محمد نظام الدین
دارالعلوم دیوبند ۳ ۔۔۔

افسوس مفتی صاحب نے جواب میں یہ اتفاقی اور اندازاً ہی سے کام لیا ہے کہ اس کا ذکر وہ سیرۃ النعمان سے اور ورے بیانات یا حسن البیان سے کوئی عبارت تحریف و تصحیف اور گستاخی کی نقل فرماتے تو خود ر کہتے۔ لیکن مفتی صاحب نے کتب مذکورہ کی کوئی عبارت نقل نہیں کی اور نہ تو اپنی تحریف و تغلیط کو بیان فرمایا ہے۔ صرف الفاظ ہی الفاظ میں جواب کو ختم کردیا ہے۔ ایسی تحریر سے مرتبہ جو اس کا درجہ باقی ہے اور ایسی جو اس کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔

**واذا خاطبہم الجاھلون قالوا سلاما** اگر مفتی صاحب دلائل اور اقتباس ذکر فرماتے تو ضرور اس پر اگر قابل تسلیم ہوتا تسلیم ورنہ تردید کی جاتی۔ الحاصل یہ تحریر جواب نہیں ہے بلکہ جو اس سے اور نہ قابل توجہ ہے فقط والسلام

---

**رجسٹریشن آف نیوز پیپر رول نمبر ۸ کے مطابق اخبار عزیز کی ملکیت اور اشاعت کی تفصیل**

| | |
|---|---|
| اخبار کا نام | عزیز |
| زبان | اردو |
| مقام اشاعت | کرنول |
| مدت اشاعت | پندرہ روزہ |
| پرنٹر پبلشر اور ایڈیٹر | عبد العزیز رحمانی |
| قومیت | ہندوستانی |
| پتہ | گنی گلی کرنول |

میں عبد العزیز رحمانی مذکورہ بالا تفصیلات کی صداقت اور حقیقت کی تصدیق کرتا ہوں۔

دستخط: عبد العزیز رحمانی

---

# مدارس عربیہ

قیامت کی نشانیاں جو بتائی گئی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ علم گھٹتا جائے گا جہالت عام ہوگی۔ ضلالت اور گمراہی کے طوفان اٹھیں گے۔ آج ہندوستان کی حالت چاروں طرف نظر ہے ہم یہاں کی حالتوں کو دیکھتے کتابیں کو سنتے ہیں۔ پھر غور و فکر کرتے ہیں بجز حیرانی اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

پچھلے ایام ماضیہ میں عربی مدارس بہت کم تھے۔ شاید دو یا تین ہونگے ان میں خلوص تھا خدا ترسی اور خدا پرستی تھی انہوں نے خالص رضاء الٰہی کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ رکھا مدارس دن دونی ترقی کرتے گئے۔ ہر طرف علوم شرعیہ کے انوار چمک اٹھے شہر شہر قریہ قریہ اور گھر گھر خدا ترسی اور خدا پرستی کی لہریں دوڑ گئیں۔ ہر جگہ علماء ربانی و مبلغین سبحانی نظر آتے تھے۔ رحمت اور برکت عام تھی۔ ان مدارس میں شیخ الحدیث حضرت نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ کا مدرسہ تھا جہاں نہ معلوم کتنے ہی طلباء ہند اور بیرون ہند کے لڑکے تحصیل علم کیلئے آتے تھے۔ اور کامیاب عالم فاضل بنکر نکلتے تھے۔ انہیں کی نورانیت اور ضیاء پاشی سے لوگوں کے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی تھی غیر مسلم مسلمان ہوتے تھے۔ اس مدرسہ کی خصوصیت یہ بھی کہ اس نے کبھی کوئی چندہ نہیں کیا نہ کوئی رسید بنائی نہ دکان رسید اور رسید کی کتابیں طبع کرائیں۔ وہ ان خرافات سے بے نیاز تھے۔ خالص متوکل علی اللہ تھے۔ اور اللہ ان کا کارساز تھا۔

اسی مدرسہ کی آخری جھلک مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ بازار دہلی ہے جس نے نہایت ہی مختصر زندگی پائی اور اس مختصر زندگی میں ان کے اراکین نے ایسے ایسے علماء پیدا کئے جو آج بھی مذہب اسلام کا نام روشن کئے ہیں تحریر و تقریر تصنیف و تالیف اور بحث و مباحثہ کا اہتمام لئے ہوئے ہیں۔ مخالفین اسلام کی ان کے آگے ہی سرخم ہوتے ہیں۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے جب یہ علماء دنیا سے رخصت ہو جائیں گے کیا ہوگا۔

اس مدرسہ کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے کفیل صرف شیخ عطاء الرحمٰن صاحب تھے۔ اللہ ان کی قبر کو اپنے نور سے روشن کرے اور تا قیامت ابر رحمت برسا رہے آمین ثم آمین۔ صرف ایک ان کا روپیہ خرچ ہوتا ہے اپنے فنی نقصان کا حساب اشاعت علم پر لگایا۔ البتہ کرتے تھے اس لئے کوئی چندہ نذر خیرات نہیں لی۔ قربانی کے چرم اور فطرے بھی نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح وہ مدرسہ بغیر رکاوٹ کے جاری رہا۔ اور پیدا ہونے دیں۔

یہی بے باکی اور تحقیقی مسائل میں بے لاگ رہے۔ آج کی زندگی پر غور کیجئے ہندوستان میں عربی مدارس ہزاروں کی تعداد کو پہنچ گئے سب کا دعویٰ ہے کہ ہم اسلام کی تعلیم دیتے ہیں اسلام کو زندہ کرتے ہیں لوگوں کو رشد و ہدایت دیتے ہیں بچالیتے ہیں ضلالت کی تاریکی سے نکال کر نور میں داخل کرتے ہیں۔ یہ صرف اتنی بات ہے ورنہ در اصل یہ تجارتی منڈیاں ہیں۔ لوگ اپنے ذریعہ معاش کے لئے یہ ڈھونگ رچا رہے ہیں۔ حلال اور حرام ہر طرح کا چندہ کھینچتے ہیں۔ زکوٰۃ خیرات، فطرہ، عقیقہ اور قربانی کا چرم غرض دنیا کی ساری خیراتیں اسی مد میں کھپ رہی ہیں ہر سال ہزاروں لاکھوں روپیہ مدارس کی بھینٹ چڑھتا ہے اور ان مدارس کا تعلیم یافتہ کوئی عالم نظر نہیں آتا جس نے دنیائے علم کے میدان فتح کیا ہو یا اپنے شاہکار اور کارنمایاں سے مسلمانوں کو بیدار کیا ہو یا ان مسائل کی گتھیاں سلجھایا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چندے کے مدارس خود غرض مطلبی ہوتے ہیں۔ لڑکے اور تعلیم بجائے جائے انہیں روپیہ جمع کرنے سے غرض ہے اور یہی یہ مدارس قوم کے لئے ناقابل برداشت بوجھ ہیں۔ ان مدارس کی وجہ سے غرباء کے حقوق برباد و تاراج ہو رہے ہیں الاماں کے لئے تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ اور اللہ ابن خلدون پر رحم کرے جس نے اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے مدارس کا زیادہ ہونا زوال علم کی دلیل ہے یہی نقشہ ہمارے پیش نظر ہے ان مدارس نے ہمارے علم کو زوال پذیر کردیا۔ بہتر ہے کہ جلد از جلد یہ تمام مدارس بند کر دیئے جائیں اور ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے اور امراء کو چاہئے کہ وہ ان مدارس کا ایک حبہ بھی ہرگز نہ دیں۔ وہ ثواب والا نہیں فریب ہے۔ ہر طرف سے قربانی کے چرمے بٹورنے کے لئے مدارس کے لوگ چیخ پکار کرتے ہیں اشتہار پر اشتہار چھاپتے اور اخبار دل کے صفحات ۔۔۔ قربانی کے چرمے صرف فقراء اور مساکین کا حق ہے وہ انہیں کو دیئے جائیں۔ ان ہزاروں کا صرف مدارس نہیں ہیں جو لوگ مدارس کے لئے چرمے وصول کرتے وہ ظلم کرتے ہیں۔ امراء اور رئیسوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ذاتی سرمایہ سے مدارس کو قائم کریں جہاں کوئی ظلم کا چندہ نہ ہو اور طلباء کی ایسی نگرانی اور پاسبانی ہو جیسی شیخ عطاء الرحمٰن صاحب نے کی تھی۔ ایسے مدارس ہی ہمارے کامیاب ہونگے۔ ہم دعا کرتے ہیں مدارس میں جو نئی روح پیدا ہو ایسا ہو کہ اللہ مدارس اور اشاعت علم کی ہدایت کی راہ دکھائے۔ انشاء اللہ۔ فقط

پھر تا ریخ جیسے بلکہ تک تازہ رہا ہی اور بہادر
بھی ہے اور جس پکڑ رہا ہے انکی انگلیاں
تلوار پکڑتی ہیں انکی آسانی سے اسکے بازو
کو اور کمان کو بھی سنبھال سکتے ہیں۔ یعنی
پر نزول مصائب کے دور میں یہ بات
اچھی طرح واضح ہو چکی کہ امام ابن تیمیہ
صرف بے ریش عالم ہی نہیں بلکہ صاحب
سیف بہادر اور دلیر و باحوصلہ سپاہی بھی
ہیں۔ وہ صرف دولت علم ہی سے مالا مال
نہیں ہیں بلکہ دلیری اور شجاعت کی قسمت
بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا ہوئی
ہے۔ یہ دو خصوصیات امام میں ایسی
تھیں جن میں ان کا کوئی سہیم و شریک نہیں
تھا۔ حالت یہ تھی کہ جن کی دنیا مسجد و مدرسہ
تک محدود تھی وہ میدان جنگ اور عرصۂ
رزم کے آشنا نہ تھے اور جو جنگ و پیکار کے
مرد میدان تھے وہ مسجد و مدرسہ کے لئے
اجنبی تھے۔ یہ صرف امام کی ذات ستودہ
صفات تھی جو رزم اور بزم میں ہر جگہ نمایاں
دمشق اور انفرادیت کی پوری شان کے
ساتھ جلوہ آرا نظر آتی تھی۔

۶۹۹ھ کے ہنگامے میں جب دمشق میں
تنگ ترکی اور حکام تک دمشق سے بھاگ
گئے تو گویا یہاں کی حکومت پورے
طور سے امام کے ہاتھ میں آ گئی۔ اختیارات
ہاتھ میں آتے ہی انہوں نے اپنے قول کو عملی
جامہ پہنانا شروع کیا۔ یعنی اب تک جن
باتوں کی تلقین عالم شرع کی حیثیت سے کرتے
آئے تھے۔ اب حاکم وقت کی حیثیت سے انہیں
بروئے کار لانے لگے چنانچہ اپنے رفقا کے
ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے جیکدوں پر چھاپا
مارا۔ جام و مینا شکست کر دیئے شراب
کے پیپے منگیوں کا منہ کھول دیا گیا اور
وہ پانی کی طرح بہا دی گئی۔

لیکن عارضی دور اقتدار میں امام نے
حدود شرعی کا نفاذ کر دیا تو یہ اقدام عام
دشمنوں اور مخالفوں کی آتش غضب بھڑکانے
کا سبب ہوگیا۔ اور انہوں نے امام کی عزت
گھٹانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔

امام کا آفتاب اقبال نصف النہار
پر پہنچ چکا تھا۔ ان کا نام ملک کے گوشہ گوشہ
میں عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا تھا۔
انہوں نے حکومت اسلامیہ کی ہمیشہ پوری
طرح سے حفاظت کی بلکہ اندرونی دشمنوں
سے بھی بچانے کی پوری پوری کوشش کی۔
امام کی عزت و منزلت میں اضافہ ہوتا رہا
ساتھ ہی حاسدوں اور دشمنوں کی تعداد بھی
بڑھتی رہی۔ تعجب کی طرف سے مخالفت
و معاندت کا اظہار ہوتا رہا۔ انہوں نے
ابن عربی پر تنقید کی ... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
اتحادیوں کو مطالبات ... [illegible]

... کرام کے خلاف اعلان کیا۔ ابن تیمیہ
کو مصر بلایا اور ان پر الزامات اور
اتہامات کا دفتر باندھ دیا گیا۔ اور قبل
اس کے کہ ابن تیمیہ ان اعتراضات کا
جواب دیں قید کا حکم صادر کر دیا گیا اور
اس حکم کی تعمیل ہو گئی۔

دشمنان دین کے پاس سب سے بڑا
آلۂ تعذیب قید خانوں کی کوٹھڑیاں
ہیں۔ مگر یہ چیزیں بھی امام کی عزیمت کے
مقابلہ میں بیکار تھیں۔ حریف جب وہ
قید کئے گئے تو تصنیف و تالیف میں
مشغول رہے۔ جب علم و دانش بھی تھیں
لگی تو جیل کے اندر قیدیوں پر نظر
ڈالی۔ ان کا بڑا حصہ ڈاکوؤں رہزنوں
اور قاتلوں کا تھا۔ لیکن چند دنوں کے اندر
ان کو شیطان سے فرشتہ بنا دیا۔ علم و
عمل کی جو برکتیں خانقاہوں اور مدرسوں
کو نصیب نہ تھیں وہ جیل کے اندر ہر طرف
نظر آنے لگیں۔ تعلیم کے چراغ جلا دیے گئے
جن کا اجالا ہو جائے گا۔ اور قیدیوں کا
گلدستہ کوزے کر کے میں کہوں تو ڈال
دیا جائے اس سے خوشبو ضرور پھیلے گی۔

رمضان ۷۰۸ھ میں امام صاحب نے اہل
زندان ہوئے تقریباً ایک سال تک یعنی
وقت ان کی مصائب برداشت کرتے رہے
کئی مرتبہ آپ کو شرائط رہائی کی پیش کش
کی گئی۔ جو آپ نے مسترد کر دی۔ ۷۰۹ھ
میں تقریباً ۱۸ ماہ قید میں گذارنے کے بعد
غیر مشروط آزادی قبول کر لی۔ امام نے
ان تمام لوگوں کے بارے میں عفو و درگزر
سے کام لیا جو انہیں تکالیف و اذیت دینے
میں پیش پیش تھے۔ رہا ہونے کے بعد
آپ نے مصر تیام کا فیصلہ کیا۔

اس کے بعد آپ کی زندگی قید مسلسل
اور ابتلا و آزمائش میں گذری۔ چار
مرتبہ آپ قید خانے کی صعوبتیں برداشت
کرتے رہے لیکن تمام حوادث و مصائب کا
پوری عزیمت اور دلیری سے مقابلہ کرتے
رہے۔ ان کا دل کامل طور پر مطمئن تھا کہ
بے شک انہوں نے سلطان وقت کے احکام
و فرامین کی مخالفت کی لیکن ان پر کوئی
بدترین دشمن بھی یہ الزام نہ لگا سکا کہ
اطاعت خالق کے راستے سے کبھی ان کے
قدم ہٹے ہوں۔ آخر زندان ہی میں حق تعالیٰ
سبحانہ نے آپ کو قید شریعت سے آزاد
کر دیا اور آپ اس جہان ناپائیدار
سے رخصت ہو گئے۔

امام ابن تیمیہ نے ۷۲۸ھ میں ۶۷ سال کی عمر
میں دنیا سے کوچ کیا۔ خبر وفات کی اطلاع
قلعہ کے موذن نے مینار پر چڑھ کر دی۔
اس اطلاع کا ایسا اثر ہوا کہ تمام شہر میں ہل چل مچ گئی سارے
شہر میں صف ماتم بچھ گئی۔ بازار بند
ہو گئے۔ دکانوں پر بھی تالے۔ اس دن

نہیں کھلا۔ مدرسوں میں عام چھٹی ہو گئی۔ عصا الناس
خبر سے اتنی کثیر تعداد میں قلعہ کے پاس
جمع ہو گئے۔ حکومت حیران تھی کیا کرے
قلعہ کا دروازہ کھول کر اندر لوگ عام اجازت
دے دی گئی۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے۔
بیٹھتے تھے۔ روتے تھے۔ بہت سے لوگ
فرط محبت میں پیشانی کو بوسہ دیتے۔
غسل کے بعد ایک نماز جنازہ قلعہ میں
ہوئی۔ نماز کے بعد جنازہ باہر لایا گیا۔
قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان سب
راستے ہجوم سے بھرے ہوئے تھے۔ فوج
جنازے کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھی۔
چار گھڑی دن چڑھے جنازہ جامع اموی
(جامع مسجد) میں لایا گیا۔ ظہر کے بعد
دوسری نماز جنازہ ہوئی۔ لحظہ بلحظہ ہجوم
بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میدان،
گلیاں، بازار سب بھر گئے۔ ہر طرف مجمع
ہی مجمع نظر آتا تھا۔ کاندھا دینے کا
موقع نہ تھا۔ جنازہ انگلیوں اور سروں
پر جا رہا تھا۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔
اسی حالت میں پکارنے والے نے پکار کر کہا۔
"اہل سنت کا جنازہ ایسا ہوتا ہے۔"

شدت اژدحام سے لوگوں کے پاؤں
کے جوتے اور بکھر جوتیاں نکل گئیں۔ اور جوتے
اور رومال گر گئے۔ سوق الخیل
پہنچ کر مجمع کا کوئی حد حساب نہ رہا۔
جنازہ وہاں رکھ دیا گیا۔ اور تیسری نماز
جنازہ پڑھائی گئی۔ عصر کے قریب اس
آفتاب علم اور مجاہد دعوت کو سپرد خاک
کیا گیا۔ جنازے پر تخمیناً لاکھ کی بھیڑ
کا اندازہ کیا گیا ہے پندرہ ہزار عورتوں کا مجمع
اسکے علاوہ ہے۔ دمشق کی تاریخ میں اس قسم
کے جنازے کی مثال نہیں ملتی۔ امام احمد بن
حنبل کے جنازے کے بعد کسی جنازے پر اتنی بھیڑ
نہیں ہوئی۔ محقق سراج الدین کا بیان ہے۔
"اس جنازے کے موقع پر جو وقار
ہیبت عظمت اور جلال دیکھا گیا اور عوام
نے جس تعظیم و توقیر کا مظاہرہ خراج تحسین
ادا کرنے کے لئے کیا اسکی مثال کسی دوسرے
جنازے میں ملنی مشکل ہے۔"

سارے عالم اسلام کی مساجد میں
امام صاحب کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی
گئی۔ مصر و دمشق مدینہ منورہ عراق
یمن تبریز بصرہ یہاں تک کہ اقصائے
جنوب و انتہائے مشرق کے انتہائی
شہروں میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی
گئی۔ مولانا آزاد تذکرہ میں فرماتے ہیں:-
"سیاحوں کی زبانی معلوم ہوا کہ
چین کے نہایت دور کے گوشوں میں جمعہ کے
دن منادی والے نے پکارا۔
"ترجمان القرآن" کے لئے نماز جنازہ پڑھی جائے
کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ
"مری گلست بچارے چمن میں دیدہ ور پیدا"

# بقیہ :- اللہ

ہے اور تم یہ کہ لا یغتب بعضکم
بعضا (ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو)
لیکن تم دوستوں کی خوشی اور گرمی محفل کے
لئے خود بھی بے تکلف غیبت کرتے ہو اور
دوسروں سے سنتے بھی ہو۔ فرمان الٰہی یہ
ہے کہ سادہ زندگی بسر کرو۔ اسراف اور
فضول خرچی سے دور رہو۔ لیکن تم دوستوں
اور عزیزوں کی خاطر عزت و وقار اور کنبہ
برادری کی تحسین و آفرین حاصل کرنے کے لئے
کیا کیا اسراف نہیں کرتے۔ آج مسلمان
نفس کے بندے ہیں۔ جذبات کے غلام
ہیں۔ خواہشوں کے فرمانبردار ہیں مخلوق
کے اطاعت گزار ہیں۔ اور پھر تمہارا
دعویٰ ہے کہ تم صاحب ایمان ہو۔ اور
خدا کے سوا کسی کی اطاعت نہیں کرتے۔
سوچو! تم خدا کو کتنا بڑا دھوکہ دینے
کی کوشش کر رہے ہو۔

## محبت الٰہی

بندہ کے لئے ہر لحظہ
بندگی ادا کرنے کے
ساتھ ہی اپنے معبود سے محبت رکھنی بھی
ضروری ہے۔ اللہ کی محبت کے بغیر ایمان
کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ کی محبت ہی
ایک ایسی چیز ہے جو دلوں کو سرور اور
روحوں کو آسودگی عطا کرتی ہے۔ کیونکہ
خدا کی ہستی کے سوا کوئی ہستی لازوال نہیں
ہے۔ اور خدا ہی کی محبت ایک ایسی محبت
ہے جس کا سلسلہ اس مادی دنیا تک محدود
نہیں رہتا بلکہ عالم بقا تک قائم رہتا ہے
دنیا کی محبتیں ہماری جسمانی ہستی تک محدود
رہتی ہیں۔ اور خدا کی محبت تمہارے لئے
اس وقت بھی باعث انبساط ہوگی جب تم
روحانی اور غیر فانی عالم میں ہوگے۔ دائمی
مسرت کی آسودگی صرف اس روح کو
حاصل ہو سکتی ہے جو تمام دنیوی اور مادی
تعلقات سے دل ہٹا کر اللہ سے وابستگی
پیدا کرے۔ محبت فطری جذبہ ہے۔ انسان ہے
اور ... ایسے متعلقہ حقیقت یہ کہ تمام محبتیں ہیچ
ہیں۔ والدین کی محبت اولاد کے ساتھ اور
اولاد کی محبت والدین کے ساتھ فطری ہے
لیکن محدود اور نہایت ہی محدود ہے۔ کیونکہ
ماں باپ اولاد کے ساتھ اسی وقت تک محبت
کرتے ہیں جب تک اولاد ان کی نگاہوں کے سامنے
رہتی ہے پیدا ہونے سے پہلے اور مرنے کے بعد اس
قدر شدت کا جو دنیا کی محبت کا ... لیکن خدا کی محبت کا
رشتہ ازل سے شروع ہو کر ابد تک قائم رہتا ہے۔ بس
اس محبت میں ماں باپ بیٹا بیٹی اور محبوب سب
کچھ بھی قربان کر دینا چاہئے بندہ کو چاہئے کہ محبت
الٰہی کی اس دولت سرمدی و نعمت ابدی کو یاد رکھے
دنیا فانی اور اس کے تعلقات ہیچ سمجھے اور اس کے
پہلے روح اس فانی جسم سے جدا ہو دل کو محبت الٰہی
سے معمور کرے۔ صرف اسی کو سکون اور آسودگی اور حقیقی مسرت ہے

# شیخ الاسلام ابن تیمیہ

**ساتویں** اور آٹھویں صدی ہجری تاریخ اسلام میں کثرت امارات کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ اسلامی ملکوں میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی بہتات ہو گئی تھی۔ ہر اسلامی حکومت دوسری اسلامی حکومت کی تباہی و بربادی کے درپے تھی۔ کسی حکومت کو نہ قرار تھا نہ ثبات۔ حکمران خاندان ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ خود غرضی اور جاہ طلبی انکو یکجا ہونے نہ دیتی۔ اتحاد کی بات ذکر کی بات تک نہ تھی۔ حالات میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ شعوب اسلامیہ کی حیثیت ایک شکار کی سی تھی جس پر حکومت و اقتدار کے متوالے شکار کی طرح جھپٹ رہے تھے۔ مسلمانوں کے ملوک و سلاطین اپنی رعایا کو استبداد و قہرمانیت کا شکار بنائے ہوئے تھے۔ ان ایام میں اسلام اور مسلمانوں کو ایسے ابتلا سے دوچار ہونا پڑا جس سے کبھی کسی قوم کو سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ان ہی دنوں میں ایک تو تاتاری تھے جو مشرق سے ٹڈی دل کی طرح امڈے اور ایسے اعمال کا ارتکاب کیا کہ جس سے انسانیت کانپ اٹھی۔ دوسری بلا صلیبیوں کی تھی۔ یہ مغرب سے اٹھے شام کی طرف بڑھے مصر کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کی اور مصر کے ایک سرحدی مقام دمیاط پر اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ اندلس (جسے اس وقت سپین کہا جاتا ہے) جنت اسلام کہا جاسکتا تھا اس کی حکومت بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے جا چکی تھی۔

یہ اس عہد کا مختصر حال ہے جس میں ابن تیمیہ جیسے مرد مومن کو زندگی گذارنی پڑی۔ امام ابن تیمیہ کی ولادت دس ربیع الاول ۶۶۱ھ کو حران کے مقام پر ہوئی جو علم کا گہوارہ اور فلاسفہ کا نشیمن رہا ہے۔ چھ سال کی عمر تک امام ابن تیمیہ یہیں متوطن رہے۔ عمر کی ساتویں منزل میں تھے کہ تاتاریوں نے اس شہر پر غارت گری کی جس سے تنگ آ کر یہاں کے باشندے متفرق ادھر ادھر پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ خاندان ابن تیمیہ کے افراد ہجرت کر کے دمشق کی طرف چلے اور خدا کی مدد سے بخیر و عافیت سلامتی کے ساتھ دمشق پہنچ گئے۔

امام کے والد شیخ عبدالحلیم بڑے پایہ کے عالم تھے۔ وہ جیسے ہی دمشق پہنچے ان کے فضل و کمال کی شہرت ہوئی اور علم و درس و تعلیم کا سلسلہ پھیل گیا۔ دمشق کی جامع اعظم میں درس و تعلیم و تدریس پر فائز ہو گئے۔ امام تقی الدین ابن تیمیہ کا خاندان تو شروع ہی سے علم اور قوت حافظہ کے اعتبار سے ممتاز و یکتا تھا۔ اس خاندان کے افراد نے اپنے آپ کو علم کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اسی علمی گہوارہ میں نشو و نما پانے کا نتیجہ ہوا کہ بچپن ہی سے بالکل ابتدائی شعور ہی سے علم کی طرف راغب ہو گئے۔ چنانچہ قرآن شریف بچپن ہی میں حفظ کر لیا اور زندگی بھر اس کا ورد کرتے رہے۔

حفظ قرآن کے بعد امام حفظ حدیث و سنت کی طرف متوجہ ہوئے۔ احکام فقہیہ کی معرفت حاصل کی اور ان کو حفظ اور یاد کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یاد داشت کا غیر معمولی قوت عطا ہوئی تھی۔ فقہ و حدیث کے ساتھ ساتھ انہوں نے دوسرے علوم و فنون کے حصول پر بھی پوری توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ علم ریاضی پر دسترس حاصل کی۔ علوم عربیہ کی طرف خاص طور سے زیادہ توجہ کی۔

بچپن سے جوانی تک شفقت پدری کے سائے میں علوم و فنون حاصل کرتے رہے جو بلند مرتبت عالم تھے، اکثر تحصیل علم کے لئے انہی کے در پر پہنچے۔ علم کے ہر گھاٹ پر تشنہ لب پہنچے اور سیراب ہو کر واپس آئے۔ اس وقت وہی شہر تھے جو علوم و فنون کا سرچشمہ خیال کئے جاتے تھے۔ ایک دمشق دوسرا قاہرہ۔ امام نے دونوں شہروں کی خاک چھانی مختصر یہ کہ انہوں نے اپنے ذہن و دماغ کی تربیت بہت عمدہ طور پر کی اور وہ تمام علوم حاصل کئے جو ان کے زمانے میں رائج تھے۔ علم کا کوئی مرکز ایسا نہیں تھا جس کے دروازے پر انہوں نے دستک نہ دی ہو۔ ان کے ایک معاصر علامہ زملکانی نے ان کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:۔

اللہ تعالیٰ نے امام ابن تیمیہ کے لئے علوم کو اس طرح آسان کر دیا تھا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ جب کسی علم و فن کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا تو دیکھنے سننے والوں کی رائے یہی ہوتی، محسوس ہوتا تھا کہ اس فن کے سوا امام صاحب اور کچھ نہیں جانتے اور یہ کہ اس فن میں امام کا کوئی حریف و مقابل نہیں۔ ہر مکتب خیال کے فقہاء کرام جب ان کے دربار علم میں حاضر ہوتے تھے تو خود اپنے مسلک کے بارے میں انہیں یہاں ایسی باتیں کی آگہی حاصل ہوتی تھیں جن سے اب تک وہ خود نا واقف تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی بھی شخص سے وہ مناظرہ کریں اور لاجواب ہو کر رہ جائیں۔ وہ ہر علم پر بلا تکلف گفتگو کرتے تھے خواہ وہ شرعی ہو یا عقلی ہو یا نقلی یا دنیاوی علوم سے متعلق ہو جس علم پر بھی وہ گفتگو کرتے اپنی معلومات سے اس علم کے ماہرین کو بھی چکرا دیتے تھے۔

امام صاحب علم النحو کے تمام گوشوں سے واقف تھے، سیبویہ جو نحو کا مشہور امام گزرا ہے اس کی تصنیف الکتاب کو بڑی باریک بینی کے ساتھ پڑھا تھا اور اس پر تنقید بھی کی تھی۔ امام صاحب کے والد صرف دمشق کی جامع

سے بڑی جامع مسجد میں درس میں مشغول ہوتے تھے بلکہ مجلس درس میں شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز تھے۔ ۶۸۲ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ابن تیمیہ کی عمر اکیس سال تھی۔ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے سال بھر بعد ابن تیمیہ نے درس کی مسند سنبھال لی۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۲۲ سال تھی لیکن والد کی جانشینی کا حق انہوں نے ادا کر دیا۔ اس شان سے مجلس درس میں بیٹھے کہ وقت کے ممتاز ائمہ حدیث ابن دقیق العید وغیرہ کے ہم پایہ ثابت ہوئے۔ امام کے حلقہ درس میں ہر طبقہ اور ہر خیال کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ موافق اور مخالفین بھی اہل بدعت بھی اور اہل سنت بھی۔ امام صاحب کے تلامذہ بے حساب تھے۔ اور سامعین کی کثرت روز بروز ترقی پر تھی۔ صرف تیس سال کی چھوٹی سی عمر میں حران کے اس نو وارد کے فضل و کمال کا یہ عالم ہو گیا کہ شہرت اس مرتبہ پر پہنچ گئی کہ علماء اور طلباء کشاں کشاں اس کے حلقے کی طرف رواں دواں چلے آ رہے تھے۔ اس لئے کہ فکر و عمل اور قلب کا خشوع اور اخلاص و نیت، بیان کا ایسا نمونہ و کمال ابتک ان کی نظر سے نہیں گذرا تھا۔

امام صاحب نے جب حصول علم کی تکمیل کر لی تو حسنت تقریر و تحریر کی مشق سے دوچار ہوئے انہوں نے اسلام کے متعلق جو کچھ پڑھا اور سیکھا تھا اس کی رو سے اسلام ایک نور تھا — چمکتا ہوا جگمگاتا ہوا نور۔ لیکن ان کے عہد میں گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف فتنہ و فساد کی گرم بازاری تھی۔ اسلام کے ماضی پر انہوں نے نظر ڈالی تو سربلندی، یگانگت، اتحاد اور توانائی کا رفرما نظر آئی لیکن خود اپنے زمانے پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ مسلمان ذلت اور پستی سے دوچار ہیں۔ مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اسلام کی گذشتہ تاریخ کے اوراق میں امام نے یہ دیکھا کہ وہ دور حکومت عدل و انصاف اور مساوات کا دور تھا لیکن خود ان کا دور؟ یہ دور ظلم، استبداد اور قہرمانیت کا جس میں قوی کمزور کو کھائے جاتا تھا، حاکم محکوم کا گلا گھونٹے جاتا تھا۔ رعایا کی جان محفوظ تھی نہ مال، خدا کے عذاب و ستم کا عالم تھا۔ یہ حالات تھے جب یہ مرد صالح اصلاح کا پرچم لیکر میدان میں اترا کہ اسی جاہلیت کا علاج کرے اور اسے تندرست کرے۔ اس نے دیکھا کہ قوم کے لئے جو چیز کی وہ تیرہ و تار تھا اور یہ بڑا آسان نہ تھا۔

کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اقوال صحابہ کی پیروی۔

ابن تیمیہ کا مقصد و منشا اور اپنی تمام علمی و عملی سرگرمیوں کا مرکز و محور صرف ایک چیز پر تھا۔ وہ یہ کہ صدر اول کے اسلام کا اعادہ کیا جائے اور دکھایا جائے کہ اس آئینہ صافی پر دور ایام اور ناسمجھی و بدعت کے باعث جو گرد جم گئی ہے وہ دور ہو جائے۔ اس راستہ میں جہاں انہیں رخ دقیقین کے مخالف سے وہاں قدم قدم پر قید و بند کے حوادث سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے تقریر کے علاوہ تحریر سے بھی کام لیا۔

امام کی زندگی تکالیف و مصائب کی ایک جگر گداز داستان ہے۔ اس داستان کی ابتداء ربیع الاول ۶۹۸ھ سے ہوتی ہے جب حماۃ (شام کا ایک قصبہ) کے لوگوں نے آپ سے چند سوالات ان صفات کے بارے میں کئے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہیں مثلاً استویٰ علی العرش (عرش پر خدا کا تجلی ریز ہونا) امام صاحب نے ان سوالات کا جواب رسالہ "حمویہ" میں دیا۔ اس جواب میں انہوں نے اشاعرہ کے طرز و طریق کی مخالفت کی۔ یہ بہت بڑی جسارت اور سخت بات تھی اور مخالفت اور مجادلے کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے جس نے اختلاف کا پرچم بلند کیا وہ تھے قاضی جلال الدین حنفی۔ لیکن ان کا یہ ہنگامہ کچھ زیادہ کامیاب نہ رہا اور ان کے ساتھ گذر گیا۔ جواز امور ساتے مالکی، کم کو بدل کی کوئی صورت نہیں پیدا ہوئی۔ سکوت اس لئے نہیں تھا کہ لوگ امام ابن تیمیہ سے راضی اور ان کے مسلک سے متفق ہو گئے تھے بلکہ اس کا سبب تاتاری وحشیوں کا یورش تھا جو چڑھے ہوئے تھے۔ اور سارا شہر مصیبت کے دور سے گذر رہا تھا۔

۶۹۹ھ میں جب تاتاری دمشق پر حملہ آور ہوئے اور دمشق کا محاصرہ کر لیا تو لوگوں میں بڑی سراسیمگی پھیلی۔ علماء و اکابر نے بھی فرار پر قرار کیا۔ امیان، امراء کو بھی جاگنے کی حالت میں بھی شہر تمام بڑے آدمیوں سے خالی ہو گیا۔ کوئی حاکم تھا کہ شہر کا انتظام اور امن و امان رکھتا۔ کوئی عالم تھا کہ وعظ و نصیحت اور پند و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھتا جس سے حوصلے بلند ہوتے اور دلوں کو تقویت پہنچے۔ لیکن امام صاحب جو قوانا اور بے سہارا امام کے وہاں استقلال و عزیمت کی پوری شان کے ساتھ موجود تھا چنانچہ اس دلیر اور شجاع عالم ربانی نے اس وقت جہاد میں حصہ لیا اور اسے ثابت کر دیا کہ وہ صرف علم و تدریس کا شہسوار ہی نہیں بلکہ جنگ و جدل کا بھی شہسوار ہے۔

# اُمّ الخبائث

(از:- جناب مقصود حسین)

قوم افراد کے مجموعے کا نام ہے انفرادی ترقی، انفرادی خوشحالی اور انفرادی آسائش کو جنم دیتی ہے۔ جس معاشرہ میں اکثریت محنتی، جفاکش، دیانتدار اور ایماندار لوگوں کی ہو وہ معاشرہ بڑی تیزی سے ترقی کے منازل طے کرتا ہے۔ اور ایسی قوم دنیا کی نظروں میں بہت جلد عزت حاصل کرلیتی ہے۔ اس کے برعکس جہاں کام چور تن آسان، بددیانت اور بے ایمان لوگوں کی تعداد زیادہ ہو وہ قوم، وہ ملک اور وہ معاشرہ روز بروز ذلیل سے ذلیل تر ہوجاتا ہے۔ اور وہ کبھی بھی بام عروج پر نہیں پہنچ سکتا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس قوم کے افراد عیش و عشرت کے دلدادہ ہوں رنگین مزاج ہوں، مے گلگوں کے شیدائی ہوں، قماربازی، چوری، رشوت ستانی اور اسی قسم کی دوسری سماجی برائیوں کا شکار ہوچکے ہوں۔ وہ قوم انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن کر رہ جاتی ہے۔

شراب نوشی کی مذموم عادت کو ہی لیجئے۔ یہ ایسی عادت ہے جو انسان کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑتی۔ ہمارے سامنے تاریخی شواہد ہیں کہ بادشاہوں کو اسی عادت بد کے طفیل تخت و تاج سے محروم ہونا پڑا۔ ملک تباہ ہوگئے۔ سلطنتیں ختم ہوگئیں۔ اور ایسی حکومتیں نے ڈیرے ڈالے کہ نان شبینہ کے لئے محتاج ہوگئے۔

اسلام نے اسی لئے شراب کو ام الخبائث برائیوں کی ماں یا برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور چڑھاوے بت اور پانسے گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچے رہو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں شراب اور جوئے سے دشمنی اور بیر ڈال دے۔ اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ سو کیا تم اب باز آتے ہو؟ (مائدہ)

اس آیۂ شریفہ میں شراب پینے کو شیطانی کام قرار دیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اسی کی وجہ سے ایک تو شرابی آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اور دوسرے خدا کی یاد اور نیک کاموں سے روک دیتی ہے۔

شراب خوری کو شیطان کا کام اسی لئے بھی بتایا گیا ہے کہ یہ سراسر فضول خرچی ہے۔ اور فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم میں شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ یعنی بلاشبہ فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں۔

شراب ہر قسم کی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ معاشرتی اور مذہبی معاشرتی برائی یہ ہے کہ شراب سے مست ہو کر لوگ کئی قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اکثر لوگ شراب کے عادی ہوتے ہیں مگر ایک جیسے حادثات جو ہوتے ہیں وہ زیادہ شرابی ڈرائیوروں کی بدحواسی اور مدہوشی ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جن کی شراب نوشی کی مذموم عادت کے باعث آئے دن کوئی نہ کوئی جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں۔ خودکشی، چوری ڈاکہ زنی، قتل اور اسی قسم کی وارداتوں کی جو خبریں آئے دن اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں ان میں اکثر بیشتر مجرم وہی ہوتے ہیں جنہوں نے نشے کی حالت میں ارتکاب جرم کیا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ شراب کے نشے میں مدہوش ہو کر اس سے عاری ہو کر ایسے جرائم کر گزرتے ہیں کہ اگر وہ ہوش میں ہوتے تو کبھی نہ کرتے۔

مذہبی برائی یہ ہے کہ شرابی مذہب سے بالکل دور ہوجاتا ہے۔ اس کے دل میں خوف خدا رہتا ہی نہیں۔ وہ مخموری کی حالت میں نماز سے، زندگی کے سب سے بڑے فرض سے غافل ہوجاتا ہے اور اس کا ضمیر اتنا مردہ ہوجاتا ہے کہ وہ نیکی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی مسلمان جب شراب پینے لگتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان اس سے رخصت ہوجاتا ہے۔

(صحیحین کتاب الاشربہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شراب پینا ہی نہیں بلکہ اس کا پلانا، بنانا، بیچنا، خریدنا، لینا دینا سب حرام قرار دیا ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

خدا نے شراب پر اور اس کے پینے والے پلانے والے بیچنے والے خریدنے والے دوسروں کے لئے نچوڑنے والے اپنے لئے نچوڑنے والے اٹھانے والے اور جس کے پاس لے جائی جائے سب پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد کتاب الاشربہ)

شراب خانہ خراب انسان کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح دیمک لکڑی کو۔ شرابی کا انجام اکثر بڑا دردناک اور عبرتناک ہوتا ہے۔ وہ اندر سے کھوکھلا ہوجاتا ہے اور اس کا اس کمزور ہوجاتا ہے۔ اس کا جگر خراب ہوجاتا ہے دل کی حرکت بند ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے اس کا دماغ کام چھوڑ دیتا ہے۔ اکثر و بیشتر ایک شرابی کے اعصاب اتنے کمزور ہوجاتے ہیں کہ اس پر رعشہ طاری ہوجاتا ہے۔ اور قوی میں اضمحلال آجاتا ہے۔ یہ حالت بالکل ایسی جس کا نقشہ غالب نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

مضمحل ہوگئے قویٰ غالب
اب عناصر میں اعتدال کہاں

کال ہیری کے ان شیدائیوں کو جو یہ شراب پیا کرتے ہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اس کے برے اثرات سے کسی طرح بھی نہیں بچ سکتے۔ اونچے مکان کی چھت سے کوئی بے خبری میں نیچے گر پڑے یا جان بوجھ کر چھلانگ لگائے چوٹ سے بچ نہیں سکتا۔ زہر اپنا اثر دکھاتے رہتا ہے۔ برائی کا نتیجہ ہر حالت میں برا نکلتا ہے۔ اس لئے جو لوگ شراب جیسی بلک چیز کا استعمال پے درپے کرتے رہتے ہیں۔ انہیں اس کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ کیونکہ جیسا کہ مسٹر ہیری ایس۔ ادر اور ایچ۔ ڈی۔ نے شراب کے استعمال اور اس کے مضر اثرات کے سلسلہ میں اپنی رپورٹ میں لکھا ہے۔ خون میں الکحل کی تھوڑی سی مقدار شامل ہوجانے سے تمام اعصابی نظام پر مضر اثرات پڑتے ہیں۔ اور انسان کی صلاحیتوں کے تمام امکانات اس کی زد میں آجاتے ہیں۔

الحاصل ایک شرابی خود بھی کا بیمار رہتا ہے بیوی بچوں کو ترساتا ہے اپنی حالت بد سے بدتر بناتا ہے ندامت اور پشیمانی کی وجہ سے سوسائٹی سے منہ چھپاتا ہے۔ اپنا روپیہ خرچ کرکے اپنی تباہی و بربادی خریدتا ہے۔ بلکہ بیماریاں اور موت خریدتا ہے ذلت و خواری رسوائی اور ناداری خریدتا ہے۔ اسلام سے بیزاری اللہ اور رسول سے دشمنی خریدتا ہے۔ صبح و شام آفتیں و فتنے اور خونریزی خریدتا ہے۔ زمین آسمان اور تمام کائنات کی لعنت خریدتا ہے انجام کار جہنم کی آگ خریدتا ہے۔

اسلام پاک اور مقدس مذہب ہے وہ ہرگز اس نجاست کو گوارا نہیں کرتا ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے مذہب اسلام کے تقدس کا احترام کرے اور اس کو شراب کی نجاست جوئے کی گندگی اور بدکاری و سیاہ کاری سے محفوظ رکھے۔

واللہ المستعان

# طبی چٹکلے

## ۱- درد کمر کا علاج

روغن کنار میں کی مالش کرکے سینک کریں۔ علاوہ ازیں شیشی، اونٹ کٹارہ، کالی مرچ اور اجوائن کو سفوف بنا کر اور مقدار میں ایک ماشہ پانی یا دودھ کے ساتھ دیں۔

## ۲- بے خوابی کا علاج

(۱) اگر بے خوابی دماغ کی خشکی کی وجہ سے ہو تو تھوڑی چندن بوٹی یا اسرول کا استعمال کریں۔

(۲) زیادہ تکلیف کی حالت میں یہ نسخہ دیں:

پوٹاشیم برومائیڈ ۵ گرین۔
کلورل ہائیڈریٹ ۱ گرین۔
سیرپ ........ ۔ سویوتہ
پانی ۱/۲ اونس
سب کو ملا کر سونے سے ۲ گھنٹے پہلے پئیں۔

## ۳- بواسیر کا علاج

رسوت، گوگل، نیم، تخم بکائن، تخم کاہو، تخم گندنا،
سب ادویہ ہم وزن لے کر آب گندنا میں پیس کر چنے کے برابر گولیاں بنالیں۔ بادی بواسیر میں ایک گولی اور خونی بواسیر میں ۲ گولی صبح و شام پانی سے دیں۔

## ۴- علاج مرگی

عرق اسرول بوٹی کا سفوف دن میں دو مرتبہ پانی تازہ سے دیں۔ بڑا مجرب علاج ہے۔ (ماخوذ)

---

ناقابل اشاعت
مضامین
واپس
نہیں کئے جاتے

# مدرسہ شمسیہ عربیہ کرنول

آباد، کرنول شہر میں مدرسہ شمسیہ عربیہ [illegible] چارہ [illegible]

[illegible] کرنول کا [illegible]

مدرسہ [illegible] خالص مذہبی تعلیمات کے لئے مرحوم شمس الدین خاں صاحب نے اس کی بنیاد رکھی تھی اور خصوصاً جماعت اہلحدیث کے مخیر حضرات نے حسب حیثیت اس کار خیر میں تعاون فرمایا۔ یہ مدرسہ جناب حافظ عبدالعظیم صاحب کے ہاتھوں افتتاح ہوا تھا جب تک وہ موصوف زندہ تھے درس و تدریس اور حفظ قرآن کا سلسلہ منظم تھا کرنول میں بہت حفاظ تیار ہوئے اور طلبہ بیرون سے [illegible] جاتے تھے۔ عربی صرف نحو اور ادب کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ افسوس [illegible] خدام [illegible] اور مدرسہ ختم ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سید عبداللہ صاحب [illegible]

[illegible]

مرحوم شمس الدین خاں کے [illegible] جناب خلیل عبدالعلیم خاں صاحب [illegible]

[illegible]

مدرسہ [illegible] والی حدیث کا [illegible]

اس میں عبداللہ [illegible] کے سوا کوئی اہلحدیث [illegible] قائم [illegible]

[illegible] جماعت اہلحدیث [illegible] زبوں حالی [illegible] تھی۔

[illegible]

سید عبداللہ صاحب [illegible] نے اشتہار [illegible] کیا۔

[illegible] اور [illegible]

[illegible] کی [illegible] اس مدرسہ میں تین سال میں حافظ اور پانچ سال میں عالم بنایا جائے گا۔ نہایت افسوس ہے اس بار [illegible] کو گذرے آج تک [illegible] سال گذر چکے لیکن عبداللہ [illegible] ایک دن بھی [illegible]

[illegible] حافظ ہوا اور نہ عالم [illegible]

[illegible]

شمسیہ میں عالم یا حافظ ہوا ہے۔ اس [illegible]

[illegible]

(بشکریہ الفاطمہ)

[illegible] ایک اداریہ [illegible] جماعت اہلحدیث کے [illegible] عبدالاحد صاحب کی طرف سے شائع ہوا ہے انہوں نے اپنے [illegible] سے خطاب فرمایا ہے:- وھو ھذا!

برادران کرنول! آپ کو معلوم ہے کہ مدرسہ شمسیہ بام عروج کی سربلندیوں میں کتنا دینی اشاعت میں گامزن تھی۔ آج وہ مدرسہ اپنی قسمت پر رو رہا ہے (معاف کیجئے) وہ تازندوں کی [illegible] سے جو چند سال سے مرچکی ہے وہ کیا فاتحہ رو رہے گی؟

تاجیر گذشتہ [illegible] عید کے دن اشتہار کے ذریعہ ممبروں کو راہ ترقی کے لئے پبلک میٹنگ میں بلایا تھا۔ بہت سارے حضرات آئے تھے لیکن اس مدرسہ کے چلانے والے کوئی بھی نہ آئے (کیوں آتیں؟) جب وہ آرام اور آسودہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ [illegible]

[illegible]

اگر آپ اپنا مکان دکان وغیرہ مدرسہ کیلئے وقف کرتے ہیں تو وہ ضرور آئیں گے۔

[illegible]

[illegible]

آج بھی کرنول کی جماعت اہلحدیث [illegible]

[illegible]

## اخبار عزیز کے سرپرست احباب کی فہرست

جناب [illegible] فضل الرحمن صاحب [illegible]

جناب عبدالحی صاحب تاجر [illegible] جامع [illegible] راجمندری۔

جناب الحاج زین العابدین صاحب [illegible] کورٹ ملیباری

جناب الحاج [illegible] صاحب [illegible] حیدرآباد

جناب عبدالباری صاحب [illegible] جام پیٹ راجمندری

جناب محمد اسحاق صاحب [illegible] اسٹور [illegible] بازار [illegible] پاڑہ

جناب الحاج محمد حسین صاحب [illegible] ملیباری۔

جناب الحاج عبدالرحمن صاحب اینڈ برادرس [illegible] بازار ملیباری

جناب عبدالرزاق صاحب [illegible] کلکتہ (۱)

جزاہم اللہ خیر الجزاء آمین

۴

مدرسہ چودہ ہو گیا [illegible] (اس بیان کی صداقت مولانا حافظ [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

(عاکف [illegible] صاحب [illegible])

## عبدالعزیز رحمانی

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے [illegible] کرنول سے شائع کیا۔

REGD. NO. H-494

[illegible]

TO

FROM

AZIZ FORTNIGTLY KURNOOL (AP)